اِس شمارے میں

نور ہدایت	سودی مال بالآخر مٹ کر رہتا ہے		۵
نظر وفکر	کبر وغرور سے اجتناب کریں!	محمد سلمان منصور پوری	۶
درسِ حدیث	سیرتِ رسولِ اکرم اور حقوق العباد	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۱۴
افاداتِ قرآنیہ	افادات سورۂ طلاق	حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ	۱۹
مقالات ومضامین	کامیاب اُستاذ کی صفات	مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب	۲۴
	رمضان المبارک؛ رحمتوں کا مہینہ	مولانا مفتی محمد اجمل قاسمی	۲۹
	خوشی ومسرت کے دودن عید الفطر......	مولانا مفتی ابوجندل قاسمی	۳۸
	پیغمبرانہ دعائیں؛ جو قبول ہوئیں	مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری	۴۶
	اِسلام میں فحاشی اور بے حیائی......	مولانا مفتی محمد رضوان قاسمی	۵۰
	دیدۂ عبرت	مولانا مفتی محمد یحییٰ قاسمی	۵۵
کتاب المسائل	زمان ومکان کی طرف نسبت......	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۶۱
رپورٹ	اِجلاسِ دستار بندی وختم بخاری شریف	مفتی محمد توحید پرتاب گڈھی	۶۴
جامعہ کے شب وروز	مہتمم جامعہ کے اسفار، واردین وصادرین، وفیات		۶۷

نورِ ہدایت:

سودی مال بالآخر مٹ کر رہتا ہے

اِرشادِ ربانی: یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ. (البقرة: ۲۷۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر اُس شخص کو ناپسند فرماتا ہے جو ناشکرا اور گنہگار ہو''۔

اِس آیتِ شریفہ میں دو واضح حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

(۱) اول یہ کہ اللہ تعالیٰ سودی اور حرام مال کو مٹا دیتا ہے، یعنی وہ دیکھنے میں اگرچہ زیادہ نظر آئے؛ لیکن بالآخر وہ جلد ہی فنا ہو جاتا ہے، اور اُس مال میں کسی طرح کی برکت نہیں ہوتی۔ اِسی بات کو دوسری آیت میں اِس طرح فرمایا گیا: ﴿وَمَا اٰتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [الروم، جزء آیت: ۳۹] (اور جو دیتے ہو سود پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں، تو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا) اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی کا بدن بیماری کی وجہ سے ورم آکر پھول جائے تو دیکھنے میں اگرچہ وہ بھاری بھرکم معلوم ہوتا ہے؛ لیکن حقیقت میں وہ بیماری ہے اور پیامِ موت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّ الرِّبَا وَإِنْ كَثُرَ؛ فَإِنَّ عَاقِبَتَهُ تَصِيْرُ إِلٰى قُلٍّ''. (رواہ ابن مسعودؓ، المعجم الكبير للطبراني ۲۲۳/۱۰ رقم: ۱۰۵۳۸، كنز العمال ۴۵/۴ رقم: ۹۷۸۲ مكة المكرمة) یعنی سودی مال اگرچہ بڑھ جائے؛ لیکن اُس کا انجام کمی ہی کمی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۱۸ دارالسلام ریاض)

اور تجربہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ حرام مال جمع کرنے والا شخص کبھی سکون سے نہیں رہتا، اور اُسے خواہی نہ خواہی ایسی جگہوں پر مال خرچ کرنا پڑتا ہے، جس سے کوئی نفع وابستہ نہیں ہوتا۔

(۲) اور دوسری حقیقت اِس آیتِ مبارکہ میں یہ بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کے مال کو بڑھاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص حلال کمائی سے کھجور کا ایک ڈھیر صدقہ کرے (اور اللہ تعالیٰ حلال کمائی کے علاوہ کچھ قبول نہیں فرماتے) تو اللہ تعالیٰ اُس کے صدقہ کو اپنے دستِ مبارک میں لے کر اُلٹتے پلٹتے ہیں، اور پھر اُس کی اس طرح پرورش فرماتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ کے مانند ہو جاتا ہے''۔ (صحیح البخاری ۱۸۹/۱ رقم: ۱۴۱۰ عن ابی ہریرہؓ، تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۱۸ دارالسلام ریاض)

علاوہ ازیں جو شخص صدقہ خیرات کرتا رہتا ہے، دنیا میں بھی اُس کے مال میں بے مثال برکت ہوتی ہے، اور طبعی سکون میسر رہتا ہے، اِس لئے ہر آدمی کو بہرحال حرام مال سے اجتناب کرنا چاہئے، اور حلال مال سے حسبِ سہولت صدقہ خیرات کرنے کا اہتمام رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گذاری کا تقاضا یہی ہے۔ اِس کے برخلاف جو شخص حرام مال میں دلچسپی لے گا، اور کارِ خیر میں مالِ حلال خرچ کرنے میں بخل کرے گا، وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ شخص نہیں بن سکتا۔ اِسی تنبیہ پر مذکورہ آیت کا اختتام کیا گیا۔ ☐☐☐

نظر وفکر

رحمٰن کے خاص بندے اور اُن کی صفات (۲)

محمد سلمان منصور پوری
Mansoorpuri
@gmail.com

کبر وغرور سے اجتناب کریں!

اللہ تبارک وتعالیٰ کو کبر وغرور اور متکبرانہ انداز ہرگز پسند نہیں ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

وَلاَ تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلاَ تَمْشِ فِیْ الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. (لقمان: ۱۸)

اور لوگوں کے سامنے اپنے گال مت پھلاؤ (تکبر کا اظہار مت کرو) اور زمین میں اکڑ کر مت چلو، یقیناً اللہ تعالیٰ کو اترانے والا اور شیخی بھگارنے والا شخص پسند نہیں آتا۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلاَ تَمْشِ فِیْ الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً. (بنی اسرائیل: ۳۷)

اور زمین پر اِتراتے ہوئے مت چلو، تم زمین کو پھاڑ مت ڈالوگے، اور نہ پہاڑوں کی لمبائی تک پہنچ پاؤگے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِلْمُتَکَبِّرِیْنَ. (الزمر: ٦۰) کیا دوزخ متکبرین کا ٹھکانا نہیں ہے۔

نیز ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّهٗ لاَ یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ. (النحل: ۲۳) بے شک اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اور اَحادیثِ شریفہ میں بھی بکثرت کبر وغرور کی مذمت وارد ہوئی ہے، چند روایات ذیل میں درج ہیں:

کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتی ہے

(۱) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلْکِبْرِیَآءُ رِدَائِيْ، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهٗ فِيْ

کبریائی میری چادر اور عظمت میری اِزار ہے، پس جو شخص اِن میں سے کوئی چیز مجھ سے چھیننے کی کوشش

النَّارِ. (سنن أبي داؤد رقم: ٤٠٩٠، جامع المهلكات ص: ٤٠٩) کرے گا، میں اُس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔

یعنی کبرائی اور بڑائی دونوں اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں، جن میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الجاثية، جزء آيت: ۳۷] اَب مخلوقات میں سے جو شخص بھی اِس کبریائی کو اپنے لئے ثابت کرے گا، تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں ہوسکتی۔ اِس کی مثال دیتے ہوئے حکیم الامت حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا کہ: ''یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی حقیر غلام؛ بادشاہ کا خصوصی تاج سر پر رکھ کر اُس کی مسند پر بیٹھ جائے، تو وہ یقیناً بادشاہ کی نظر میں سخت گستاخی کا مرتکب اور سخت سے سخت سزا کا مستحق ہوگا''۔ اِسی طرح جو شخص تکبر کا اِرتکاب کرے گا، اُس کا انجام جہنم کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ (احیاء العلوم للامام الغزالی، المکتبۃ الشاملۃ)

متکبر شخص جنت میں نہ جائے گا

(۲) سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. (صحيح مسلم رقم: ١٤٩، سنن أبي داؤد رقم: ٤٩١، جامع المهلكات ص: ٤١٠) جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی کبر وغرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ متکبر شخص اپنے تکبر کی سزا بھگتے بغیر جنت میں داخل نہ ہوسکے گا، اَب اگر وہ شخص کافر ہے تو اپنے کفر کی بنیاد پر وہ کبھی جنت میں نہ جاسکے گا، اور اگر وہ متکبر شخص مؤمن ہے تو اُمید ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد اپنے ایمان کی بنیاد پر وہ بالآخر جنت میں داخلہ کا مستحق ہوگا، جیسا کہ اَحادیثِ شفاعت سے معلوم ہوتا ہے۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ۔

متکبرین کا ٹھکانہ جہنم ہے

(۳) سیدنا حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

أَلا أُخبِرُكُم بِأَهلِ الجَنَّةِ، كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، أَلا أُخبِرُكُم بِأَهلِ النَّارِ! كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ. (صحيح البخاري رقم: ٤٩١٨، صحيح مسلم رقم: ٢٨٥٣، جامع المهلكات ص: ٤١٠)

کیا میں تمہیں جنتیوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ وہ (اکثر) ہر کمزور اور حقیر سمجھے جانے والے لوگ ہیں، وہ اگر اللہ کے نام پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم پوری فرمادیتے ہیں، اور کیا میں جہنمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو سخت جھگڑالو، ترش رو اور متکبر ہیں۔

اِس حدیث میں جنتیوں کی دو صفات بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ خود ضعیف و مسکین ہوتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ لوگ اُن کو فقر وغربت کی بنا پر حقیر سمجھتے ہیں، حالاں کہ اُن کا اللہ کی نظر میں یہ مقام ہے کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کی لاج رکھتے ہوئے اُن کی آرزو پوری فرمادیتے ہیں۔

اِس کے برخلاف جہنمیوں کی تین صفات بیان کی گئی ہیں: (۱) وہ شدید قسم کے جھگڑالو ہوتے ہیں (۲) وہ سخت مزاج اور اکھڑ ہوتے ہیں (۳) وہ کمینہ صفت ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی نظر میں مبغوض اور قابلِ لعنت ہیں، جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(۴) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَهلَ النَّارِ كُلُّ جَعظَرِيٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ، جَمَّاعٍ مَنَّاعٍ، وَأَهْلُ الْجَنَّةِ الضُّعَفَاءُ الْمَغْلُوبُونَ. (المسند للإمام أحمد بن حنبل رقم: ٧٠٣٠، جامع المهلكات ص: ٤١٠)

جہنمی لوگ وہ ترش رو، سخت گیر، متکبر، مال کے حریص اور بخیل لوگ ہیں، اور اہل جنت اکثر کمزور اور مغلوب لوگ ہوں گے۔

اِس روایت میں جہنمیوں کی پانچ صفات بیان ہوئی ہیں: (۱) وہ سخت گیر ہوتے ہیں (۲) وہ اترا کر چلنے والے ہیں (۳) وہ اُونچی ناک والے ہیں (۴) وہ پرلے درجہ کے لالچی اور حلال حرام کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے والے ہیں (۵) وہ حقوقِ خداوندی کی ادائیگی میں پرلے درجہ کے بخیل اور کنجوس واقع ہوئے ہیں۔ یہ سب صفات انتہائی ناپسندیدہ ہیں، جن سے بچنا ہر انسان پر لازم ہے۔

اِن روایات سے معلوم ہوا کہ مغرور شخص جس کی پہچان یہ ہے کہ: ’’وہ حق کا انکار کرتا ہو، اور

دوسرے لوگوں کو اپنے سے حقیر سمجھتا ہو"۔ (مشکوٰۃ شریف ۴۳۳/۲) ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی نظر میں سخت مبغوض ہے، دنیا اور آخرت میں ذلت اُس کا مقدر ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس کا ذکر فرماتے ہوئے اُس کی ہٹ دھرمی، اِنکار اور حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی برتری کے اظہار کی بنا پر اُسے تا قیامت ملعون قرار دیا گیا۔ نیز اِرشاد فرمایا:

وَاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ. (ص: ۷۸) یعنی تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

اِسی کو شیخ سعدیؒ نے فرمایا:

تکبر عزازیل را خوار کرد ❖ بزندانِ لعنت گرفتار کرد

ترجمہ :- تکبر نے عزازیل (شیطان ابلیس) کو ذلیل کرڈالا، کہ اس تکبر نے اُسے لعنت کی قید میں گرفتار کروادیا۔

تکبر کے درجات

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عام طور پر متکبرین میں تکبر کے کئی درجات پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلا درجہ یہ ہے کہ اُن کے دل میں اپنی بڑائی ہوتی ہے، اور وہ اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں؛ لیکن وہ بالقصد کوشش کر کے لوگوں کے سامنے تواضع اور انکساری کا اظہار کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے دل میں تکبر کے درخت کی جڑ تو موجود رہتی ہے؛ لیکن وہ اُس درخت کے سب پتے کاٹ کر رکھتے ہیں، یہ تکبر کا ادنی درجہ ہے۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا دلی کبر اُن کے افعال اور اقوال سے بھی ظاہر ہوجاتا ہے، مثلاً وہ لوگوں سے ترش روئی کے ساتھ پیش آتے ہیں، یا بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں، اور ہر وقت اُن کی زبانوں پر اپنے مفاخر کا تذکرہ رہتا ہے۔ بلاشبہ ایسے لوگ سخت دھوکے اور غرور میں مبتلا ہیں، وہ اگرچہ اپنے کو عالم یا عابد سمجھیں؛ لیکن وہ علم وعبادت کے تقاضوں سے کوسوں دور ہیں۔

(۳) اور سب سے پرلے درجے کے متکبر وہ لوگ ہیں جو اپنے حسب ونسب کی بنیاد پر دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں، حتیٰ کہ عام لوگوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا بھی اُنہیں گوارا نہیں ہوتا۔ اور وہ ہر وقت اپنے آباء واجداد کا نام لے کر فخر کرتے رہتے ہیں، حالاں کہ اِسلام کی نظر میں ایمان وعمل کے بغیر حسب ونسب کی کوئی حیثیت نہیں۔

اِسی طرح بعض لوگ اپنی مالی وسعت کی بنیاد پر یا حسن وجمال کی بنیاد پر یا اپنے شاگردوں اور متعلقین کی کثرت کی بنیاد پر اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں۔ یہ سب باتیں اللہ کی نظر میں ناپسند ہیں، جن سے بچنا چاہئے۔ (تلخیص از: احیاء العلوم، المکتبۃ الشاملۃ)

تکبر کے اَسباب

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تکبر جہاں بھی پایا جائے گا وہاں درج ذیل چار اسباب میں سے کوئی سبب ضرور موجود ہوگا:

(۱) عُجب:- یعنی اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھنا، اِس کی بنیاد پر آدمی خواہ مخواہ اپنی بڑائی کے زعم میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور یہ بدترین بدخلقی ہے۔

(۲) کینہ:- کبھی اِس وجہ سے آدمی تکبر میں مبتلا ہوتا ہے کہ اُس کا کوئی ہم عصر شخص اُس سے زیادہ فضیلت کا مستحق بن جاتا ہے، تو یہ متکبر شخص بلاوجہ اُس کی دشمنی دل میں بٹھالیتا ہے، اور اُس پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتا رہتا ہے۔

(۳) حسد:- بعض مرتبہ حسد بھی محسود پر تکبر کا سبب بنتا ہے، حسد کی وجہ سے آدمی ایسی آگ میں جلتا رہتا ہے، جو اُس کی دین داری کو جلاکر خاکستر کردیتی ہے، اور وہ حق کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہتا ہے۔

(۴) ریاکاری:- بعض مرتبہ محض اپنی فضیلت کے اظہار کے لئے آدمی اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے، ایسا شخص ہر وقت ایک طرح سے احساسِ کمتری میں مبتلا رہتا ہے، کہ کہیں اُس کی عزت میں فرق نہ آجائے؛ لیکن تجربہ یہ ہے کہ انجام کار ایسے شخص کو ذلت ہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، حقیقی عزت اُسے حاصل نہیں ہوپاتی۔ (تلخیص از: احیاء العلوم، المکتبۃ الشاملۃ)

تکبر کے مظاہر

تکبر میں مبتلا لوگوں سے تکبر کا اظہار اکثر درج ذیل صورتوں میں ہوتا ہے:

(۱) متکبر شخص اِس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب وہ کسی مجمع میں پہنچے تو لوگ کھڑے ہوکر اُس کا استقبال کریں۔

(۲) متکبر شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اُس کے گھر پر آکر خود اُس سے ملیں، اور دوسروں کے گھر پر

جا کر ملنے سے اُسے تکلف ہوتا ہے، جب کہ یہ بات تواضع کے خلاف ہے۔

(۳) متکبر شخص اپنے قریب کسی کو بٹھانے سے ناگواری محسوس کرتا ہے، اور یہ چاہتا ہے کہ سب حاضرین اُس کے سامنے بیٹھیں، اُس کے برابر میں نہ بیٹھیں۔

(۴) متکبر شخص اپنا گھریلو کام کرنے کو بھی اپنی مزعومہ عزت کے خلاف سمجھتا ہے۔

(۵) متکبر شخص اپنے ہاتھ میں سودا سلف اور سامان لے کر لوگوں کے سامنے چلنے کو بھی گوارا نہیں کرتا۔

(۶) متکبر شخص کو اگر کوئی برا بھلا کہے تو وہ اُسے ہرگز برداشت نہیں کرتا، اور فوراً اُس کے انتقام کے درپے ہوجاتا ہے۔ (مستفاد و تلخیص از: احیاء العلوم، مکتبۃ الشاملۃ)

تکبر کا علاج کیسے ہو؟

حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبر ایک بدترین روحانی بیماری ہے، اِس کا علاج فرضِ عین ہے، جو محض تمنا سے ممکن نہیں؛ بلکہ اُس کے لئے دو طرح کی تدبیریں اختیار کرنا ضروری ہے:

(۱) اول یہ کہ آدمی خود اپنی حیثیت جانے اور اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے، جس قدر آدمی کو اپنی ذات کی معرفت حاصل ہوگی، اُتنا ہی اُس کی نظر میں اُس کی ذلت ظاہر ہوتی چلی جائے گی؛ اِس لئے کہ انسان کا کوئی بھی ظاہری یا باطنی کمال حقیقی اور ذاتی نہیں ہے؛ بلکہ سب کا سب عطاء خداوندی ہے، اور حقیقی اور ذاتی کمال تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاصل ہے۔ جب یہ حقیقت آدمی کے دل نشین ہوگی اور وہ اپنی ابتداء اور انتہاء کا خیال کرے گا کہ اُس کی تخلیق کیسی ناپاک چیز سے ہوئی، اور اُس کا انجام مٹی میں ملنا مقدر ہے، تو ایسا شخص کبھی بھی اپنے کو برتر سمجھنے کا خیال دل میں نہیں لائے گا۔

(۲) دوسری تدبیر یہ ہے کہ آدمی بالارادہ متواضعین کے اخلاق کو اختیار کرنے کی کوشش کرے۔ اور گوکہ نفس پر شاق ہو؛ لیکن ہر مرحلے میں اظہارِ تکبر سے پوری طرح بچے۔

متکبرین اپنا محاسبہ کریں!

الف:- جو شخص نسب کے اعتبار سے کبر میں مبتلا ہو، وہ یہ سوچے کہ آخر اپنے آباء واجداد کے کمال کی بنیاد پر وہ خود کیسے معزز ہوسکتا ہے؟ کیوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اچھی صفات والے باپ کا بیٹا بھی اُنہیں صفات کا حامل ہو، جیسا کہ کسی عربی شاعر نے کہا ہے:

لَإِنْ فَخَرْتَ بِآبَاءِ ذَوِيْ شَرَفٍ   لَقَدْ صَدَقْتَ وَلٰكِنْ بِئْسَ مَا وَلَدُوْا

ترجمہ:- اگر تم عزت وشرافت والے آباءواجداد کے ذریعہ فخر کرو، تو اگرچہ تم نے سچ کہا؛ لیکن بات یہ ہے کہ اُنہوں نے (تم جیسی) بہت بری اولاد کو جنم دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص یہ بھی سوچے کہ اُس کے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور خود اُس کی پیدائش ایک ناپاک قطرے سے ہوئی ہے، اور پھر ماں کے پیٹ میں اُس کی پرورش ناپاک خون سے کتنی گندگیوں کے درمیان انجام پائی، تو بھلا ایسے آدمی کو بڑائی کیسے زیب دے سکتی ہے؟

ب:- اور جو آدمی اپنے حسن وجمال کی بنیاد پر تکبر میں مبتلا ہو تو اُسے اپنی ذات کے اندر موجود غلاظتوں اور گندگیوں پر نظر ڈالنی چاہئے کہ اُس کے بدن میں کتنی غلاظتیں جمع ہیں، جو اگر ظاہر ہوجائیں تو اُن سے لوگ گھن کریں، تو اِن گندگیوں کے موجود رہتے ہوئے محض چہرے کی خوبصورتی بڑائی کا سبب کیسے بن سکتی ہے؟

نیز یہ چہرے کی خوبصورتی بھی عارضی ہے، اگر چیچک نکل آئے، یا چہرہ زخمی ہوجائے، یا کوئی اور حادثہ پیش آجائے تو ساری خوبصورتی منٹوں میں کافور ہوجائے گی، تو پھر اس پر تکبر کرنے کا کیا مطلب؟ اِس پر تو صرف اظہارِ شکر ہونا چاہئے۔

ج:- اِسی طرح اگر کسی کو اپنی طاقت وقوت پر ناز ہو تو وہ یہ سوچے کہ یہ ساری قوت محض عارضی اور فانی ہے، اگر اُس کے ہاتھ یا بدن کی کی کوئی رگ کام کرنا چھوڑ دے، تو وہ عاجز ترین اور ذلیل ترین انسان بن جائے۔ اور اگر کوئی مچھر یا پسو اُس کی ناک میں گھس جائے تو اُس کو موت کے دہانے تک پہنچادے۔ اِسی طرح اگر وہ بخار میں مبتلا ہوجائے تو ساری طاقت چند دنوں میں تحلیل ہوجائے۔

پھر یہ بھی سوچے کہ اگر آدمی میں اچھے اخلاق نہ ہوں تو محض طاقت وقوت سے کیا عزت مل سکتی ہے؟ کیوں کہ بہت سے جانور مثلاً گدھے، بیل، ہاتھی اور اونٹ وغیرہ میں اِنسان سے زیادہ قوت ہوتی ہے، تو کیا محض طاقت وقوت کی بنیاد پر وہ جانور اِنسان سے زیادہ شرافت کے مالک ہیں؟

د:- اِسی طرح جو آدمی اپنے مال اور حامیوں کی کثرت کی بنیاد پر تکبر کرتا ہے، اُسے یہ سوچنا چاہئے کہ اِس کی تکبر کی بنیاد انتہائی کمزور ہے؛ کیوں کہ اُس نے دوسری چیزوں پر اپنی بڑائی کی بنیاد قائم کررکھی ہے، مثلاً کسی کو اپنے گھوڑے پر ناز ہے، تو گھوڑا مرجائے تو یہ ذلیل کا ذلیل رہ جائے۔ کسی کو اپنے گھر پر ناز ہے، اگر گھر ٹوٹ جائے تو اِس کی ساری عزت جاتی رہے۔ اسی طرح کسی بادشاہ کو اپنی کرسی پر ناز ہے، کرسی جاتی رہے تو ساری عزت خاک میں مل جائے۔ الغرض جو عزت دوسروں پر منحصر ہو، وہ حقیقی

عزت کہلائے جانے کے لائق نہیں، تو اُس پر تکبر کا کیا مطلب؟

علم پر غرور زیادہ خطرناک ہے

۵:- اور جو آدمی اپنے علم پر مغرور ہو، اُس کا معاملہ بہت نازک ہے، اور اُس کے مرض کا علاج بھی بہت مشکل ہے، اُس کے لئے مضبوط ہمت اور سخت جد وجہد کی ضرورت ہے، ایسے شخص کو اولاً یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ عالم کی غلط روی اللہ کی نظر میں جاہل کی کج روی کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہے۔ اور آدمی کا علم اگر اُسے اپنی معرفت نہ کرا سکے تو یہ علم کس کام کا؟ اور جس علم سے خشیت اور خضوع کی کیفیت حاصل نہ ہو، وہ دراصل علم ہی کہلائے جانے کے لائق نہیں، اِس لئے عالم کو ہر وقت اوروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی ضرورت ہے، یہی ڈر اُس کو تکبر جیسے رذائل سے بچانے میں مددگار بن سکتا ہے۔ عالم کو سمجھنا چاہئے کہ بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتی ہے، کسی بھی مخلوق کو خواہ وہ کتنی ہی خوبیوں والی کیوں نہ ہو؟ بڑائی زیب نہیں دیتی۔ نیز عالم کو اِس بات سے بھی ڈرنا چاہئے کہ کہیں خدانخواستہ اُس کی کج روی اُس کی بدانجامی کا سبب نہ بن جائے۔

حضرت وہب بن منبہؒ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’آدمی کی عقل اُس وقت تک کامل نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اُس میں دس باتیں نہ پائی جائیں۔ اُن میں سے دسویں بات یہ ہے کہ وہ ساری دنیا کو اپنے سے اچھا سمجھے۔ اور اُس کی تفصیل یہ ہے کہ اُس کی نظر میں دنیا کے سب لوگ دو حصوں میں ہوجائیں، ایک اُس سے افضل، اور ایک اُس سے کمتر، اور یہ دونوں طبقوں کے ساتھ تواضع کا اظہار کرے۔ وہ اِس طرح کہ افضل لوگوں کی جماعت میں شامل ہونے کی خواہش رکھے، اور ادنی لوگوں کے بارے میں یہ خوش گمانی رکھے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اپنی کسی باطنی خوبی کی وجہ سے نجات پاجائیں، اور میں اپنی کسی برائی کی وجہ سے سزا میں گرفتار ہوجاؤں، اِس لئے ہر وقت اللہ کی رحمت کا اُمیدوار رہے اور اُس کے غضب سے ڈرتا رہے، تو یہ آدمی کامل عقل والا کہلائے گا۔ (تلخیص از: احیاء العلوم، المکتبۃ الشاملۃ)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر متکبر شخص اپنی بیماری کا احساس کرے، اور پھر اُس کے علاج کی مخلصانہ کوشش کرے، اپنی چال ڈھال میں تواضع کا اظہار کرے، اور رعونت، ہٹ دھرمی اور بے جا سختی سے پرہیز کرے۔ اور بہتر ہے کہ کسی صاحبِ نِسبت عارف باللہ بزرگ سے اپنا تعلق قائم کرکے اُس کی ہدایات اور مشوروں پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو ہر سطح پر تکبر سے محفوظ فرمائیں، حقیقی تواضع سے آراستہ فرمائیں، اور مساکین کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں، آمین۔

درسِ حدیث:

سیرتِ رسول اکرم علیہ السلام اور حقوق العباد

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

اسلام ایک دین فطرت ہے، جس میں عبادات کے ساتھ حقوق کی اہمیت کو بھی بڑی قوت سے اجاگر کیا گیا ہے، اور اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ بندگانِ خدا کے حقوق کی ادائیگی ہی دارین کی سرخ روئی کا باعث ہے، اگر خدانخواستہ اس میں کسی طرح کی کوتاہی رہ جائے گی تو نجات خطرہ میں پڑ جائے گی، اس لئے حقوق العباد کے تئیں زبردست احتیاط برتتے ہوئے ان کو ہر قیمت پر ادا کرنے کی فکر ہر مسلمان کو کرنی چاہئے؛ تاکہ وہ آخرت میں اللہ رب العزت کی پکڑ اور اس کی ناراضگی سے محفوظ رہے۔

حقوق العباد کی مختلف شکلیں

اسلام نے جہاں بندوں کے حقوق کی حفاظت کا حکم دیا ہے وہیں اس کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے، چناں چہ شرعی نقطۂ نظر سے حقوق العباد کی تین قسمیں نکلتی ہے:

(۱) آداب (۲) معاملات (۳) صلہ رحمی۔

(۱) **آداب**:- آداب کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ میل جول کیسا ہونا چاہئے؟ کن چیزوں کا خیال رکھنا چاہئے اور کن باتوں سے بچنا چاہئے، چناں چہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام آدابِ زندگی کو بیان کرتے ہوئے اُن باتوں کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ جن کا خیال ہر مسلمان کو رکھنا چاہئے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ، يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ، وَيُجِيْبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُشَمِّتُهُ إِذَا	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمان کے اوپر اپنے مسلمان بھائی کے لئے چھ اچھی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، جب ملاقات ہو تو سلام کرے، اس کی دعوت کو قبول کرے، چھینک آنے پر (الحمد للہ کے بعد)

عَطَسَ، وَيَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ، وَيَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ، وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف ۳۹۸)

یرحمک اللہ کہے، وہ بیمار ہوجائے تو اس کی مزاج پرسی کرے، انتقال ہونے پر اس کے جنازہ کے ساتھ چلے اور اس کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرے۔

مذکورہ بالا روایت میں جن چھ امور کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ کسی جگہ اور فرد کے ساتھ خاص نہیں ہیں؛ بلکہ ہر جگہ اور ہر مسلمان کو ان کا خیال رکھنا لازم اور ضروری ہے؛ تاکہ وہ حق تلفی کے گناہ سے بچنے میں کامیاب ہوجائے۔ اسی طرح ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام ان باتوں کا بھی تذکرہ فرماتے ہیں جن سے ہر مسلمان کو دور رہنا چاہئے اور ہرگز لاپرواہی نہیں برتنی چاہئے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَايَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يُحَقِّرُهُ، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا وَيُشِيرُ إِلىٰ صَدْرِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُّحَقِّرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ. (رواہ مسلم، مشکوٰۃ شریف ۴۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے؛ لہٰذا کوئی کسی پر نہ ظلم کرے، نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے، نہ کوئی کسی کی توہین کرے، تقویٰ اور پرہیزگاری کا تعلق دل سے ہے، آپ نے سینۂ مبارک کی جانب اشارہ کرکے تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی (پھر فرمایا کہ) آدمی کے برا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی توہین کرے، ہر مسلمان کی جان مال اور عزت و آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

یعنی یہ وہ باتیں ہیں جن سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔ غور کریں کیا آج کے مسلم معاشرہ میں مذکورہ بالا آدابِ زندگی کا خیال رکھا جاتا ہے؟ کیا مسلمان ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں؟ ہم میں سے ہر ایک اپنے گریبان میں جھانکے اور خود اپنی زندگی اور کردار میں اس کا جواب تلاش کرے۔

(۲) معاملات :- شریعت اسلامیہ نے جگہ جگہ معاملات کو درست کرنے اور لین دین میں

شفافیت کا خیال رکھنے کی بھرپور تاکید کی ہے؛ کیوں کہ جس کے معاملات خراب ہوں گے اور کیریکٹر لوز ہوگا وہ حق تلفی اور خلق خدا کو ایذاء رسانی کے گناہ میں مبتلا ہوگا، کسی کو جھوٹ بول کر نقصان پہنچائے گا تو کسی کو اس کا حق دبا کر تکلیف پہنچائے گا اور کسی کو زبان وہاتھ وغیرہ سے ایذاء دے کر اپنی آخرت کو برباد کرے گا۔ چناں چہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کل میدانِ محشر میں ایک شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ جیسی نیکیاں لے کر آئے گا، مگر وہ خود ان سے فائدہ نہیں اٹھا پائے گا؛ کیوں کہ اس کے پیچھے پیچھے دربارِ خداوندی میں وہ لوگ بھی پہنچ جائیں گے جن کو اس نے ستایا ہوگا، اور پھر بدلہ کے طور پر اس کی نیکیاں حق داروں کے درمیان تقسیم کردی جائیں گی اور وہ خالی ہاتھ کھڑا رہ جائے گا، اور اگر پھر بھی حق داروں کا سلسلہ ختم نہ ہوگا تو ان لوگوں کے گناہ اس کی گردن پر لاد دیئے جائیں گے، اور پھر اس کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقت میں مفلس یہی شخص ہے؛ کیوں کہ یہ اپنے ساتھ لائی ہوئی نیکیوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلوٰةٍ وَصِيَامٍ وَزَكوٰةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ أَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں مفلس وہ کہلاتا ہے کہ جس کے پاس روپیہ پیسہ اور مال واسباب نہ ہو، آپ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس ترین انسان وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے، اور (اس کے پیچھے پیچھے) وہ بھی آجائے جس کو اس نے گالی دی تھی، اور جس پر الزام لگایا تھا، یا جس کا مال کھایا تھا، یا جس کا خون بہایا تھا، یا جس کو مارا تھا، پھر (بدلہ کے طور پر) ان میں سے ہر ایک کو اِس کی نیکیوں میں سے دے دیا جائے، پھر اگر حساب

فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ شریف ۱ / ۴۳۵)

صاف ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں تو حق داروں کے گناہ اس کے اوپر لاد دئے جائیں، اوراس کو جہنم میں جھونک دیا جائے۔

گویا معاملات کی خرابی ظلم وناانصافی اورحقوق العباد کا ضیاع وہ برائی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کی نیکیاں اکارت ہوجائیں گی،اوراس کو آخرت میں ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

(۳) **صلہ رحمی** :- نبی کریم علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں کو قرابت داروں اور رشتہ داروں سے میل جول رکھنے، حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرنے اور تعلقات کو استوار رکھنے کی زبردست تاکید فرمائی ہے۔خونی رشتوں کے علاوہ دور و قریب کے تمام اقارب سے تعلقات کو قائم رکھنے اور قطع تعلق نہ کرنے کا حکم اسلامی تعلیمات میں بڑی اہمیت سے دیا گیا ہے،جس میں آج کل بہت زیادہ کمی آتی جارہی ہے، رشتہ داریاں ٹوٹ رہی ہیں، معمولی معمولی باتوں پر تعلقات ختم ہورہے ہیں، جھوٹی انا، بڑائی اورغرور وتکبر کے چلتے اعزاء واقارب سے نہ بولنے کی قسمیں کھائی جارہی ہیں، حتی کہ خونی رشتوں کو بھی تارتار کیا جارہا ہے، جب کہ نبی کریم علیہ السلام نے صلہ رحمی کا حکم دیتے ہوئے بڑی سختی کے ساتھ اس کے خیال رکھنے کا امت کو پابند بنایا ہے۔

چناں چہ ایک روایت میں اللہ کے نبی علیہ السلام حدیث قدسی نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کہتا ہے کہ میں رحمٰن ہوں، میں نے ہی صلہ رحمی کو پیدا کیا، جو اس کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا،اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو تباہ و برباد کردوں گا۔ارشادِ نبویؐ ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ: أَنَا اللّٰهُ وَأَنَا الرَّحْمٰنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِي فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ رب العزت کہتا ہے کہ میں خدا ہوں، اور میں ہی رحمٰن ہوں، میں نے رحم (صلہ رحمی) کو پیدا کیا ہے، اوراس کو اپنے نام سے موسوم کیا ہے، چناں چہ جو اس کو جوڑے گا اللہ اس کو جوڑے گا اور جو اس کو

اللّٰہُ، وَمَنْ قَطَعَھَا بتَّتَہٗ. توڑے گا اللہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔

(رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف / ۴۲۰)

خاندانی تعلقات کو زندگی بھر نباہنا اور ہرگز قطع تعلق نہ کرنا حقوق العباد کا ایک اہم اور بنیادی جز ہے، جس کا خیال رکھنا ہر ایک کے لئے نہایت ضروری ہے، حتیٰ کہ اگر دوسروں کی طرف سے سرد مہری اور لاتعلقی کا اظہار ہو، تب بھی ہم کو راہ و رسم باقی رکھنے کا ہی حکم دیا گیا ہے؛ کیوں کہ اگر زیادتی دوسرے کی طرف سے ہوگی تو اللہ کے یہاں وہ جواب دہ ہوگا؛ لیکن اُس کے اِس برے عمل کو بنیاد بنا کر ہمارے لئے صلہ رحمی کو چھوڑنا کہاں سے جائز ہوسکتا ہے؟ دل مانے یا نہ مانے، پھر بھی میل جول کو باقی رکھتے ہوئے قطع تعلق کے گناہ سے بچنا چاہئے؛ تاکہ انسان صلہ رحمی کے اجر وثواب کا مستحق بن سکے۔

چناں چہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام صلہ رحمی پر ملنے والے تین طرح کے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے آپس میں پیار ومحبت پیدا ہوتا ہے، مال میں برکت ہوتی ہے، اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعَلَّمُوْا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهٖ أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ مَنْسَاةٌ فِي الْأَثَرِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنے نسبوں یعنی رشتہ داریوں کے بارے میں جانکاری حاصل کرو؛ تاکہ تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو؛ کیوں کہ صلہ رحمی کی وجہ سے اہل خانہ میں محبت ہوتی ہے، مال ودولت میں برکت ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

(رواہ الترمذي، مشکوٰۃ شریف ۴۲۰)

اللہ رب العزت ہم سب کو حقوق العباد کا خیال رکھنے اور زندگی بھر ان کو نباہنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

افاداتِ قرآنیہ:

اِفادات: سورۂ طلاق

افادات: عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ
ضبط و ترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

طلاق دینے کا طریقہ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ: طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ بری اور ناپسندیدہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’أَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ‘‘ یعنی اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور قابل نفرت چیز طلاق ہے۔ نہایت مجبوری میں طلاق دی جاسکتی ہے، اگر طلاق دینے کی ضرورت بھی پیش آئے تو اس میں جلدی نہ کرے؛ بلکہ اللہ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق طلاق دے، وہ طریقہ کیا ہے؟ یہی کہ طلاق دینے میں جلدی نہ کرے، فوراً خود طلاق نہ دے؛ بلکہ پہلے دونوں طرف کے سمجھ دار لوگوں کو یعنی لڑکا اور لڑکی کی طرف کے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں کو جمع کرو، مشورہ کرو، جانبین سے جو شکایتیں ہیں اُن کو سامنے لاؤ اور مسئلہ کو سمجھانے اور دونوں کو سمجھانے اور صلح کرانے کی کوشش کرو، اسی بات کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا. (النساء، جزء آیت: ۳۵)

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لئے ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو، اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا فرمادے گا۔

لیکن پوری کوشش کے بعد بھی جب مفاہمت و مصالحت کی کوئی شکل نہ بن سکے تو پھر ایسی مجبوری کی صورت میں صرف ایک طلاق دے، جس کو طلاقِ رجعی کہتے ہیں، جس میں عدت کے اندر رجوع بھی کرسکتے ہیں، اور عدت گذرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ عدت کی مدت میں زوجین میں سے ہر ایک کو سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کا موقع مل جائے گا، جب پریشانیاں سامنے آئیں گی تو

آٹا، دال، چاول کا بھاؤ معلوم ہوجائے گا، پھر پچھتائیں گے کہ ہم نے یہ کیا حرکت کی۔ ایک مرتبہ میں نے اس کو تفصیل سے بیان کیا تھا کہ جوش اور غصہ میں طلاق دینے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

ایک صاحب کا واقعہ

ایک صاحب نے جوش اور غصہ میں آکر اپنی بیوی کو طلاق دے دی، تین بچے تھے، بیوی تو گھر چلی گئی؛ لیکن اب میاں صاحب رات میں پریشان، ایک بچہ کھانس رہا ہے، دوسرا رو رہا ہے، تیسرے نے پاخانہ کردیا، ایک کو سنبھالیں کہ دوسرے کو، صبح اٹھتے ہی فوراً ڈاکٹر کے پاس پہنچے کہ کھانسی کی دوا دے دو، اب وہ دوا نہیں کھا رہا ہے، کھانے کی فکر الگ ہے، دوکان کھولنے یا آفس جانے کا وقت قریب ہے، آٹا لے کر محلّہ میں گئے کہ آپا جان روٹی پکادو، آپا جان اندر سے کہتی ہیں ٹھیک ہے پکادوں گی، کوئی پریشانی کی بات نہیں، جب تک میں ہوں کوئی پریشانی کی بات نہیں؛ لیکن آج گئے کل گئے، دو چار روز کے بعد وہ بھی کہنے لگیں کہ کوئی دوسرا انتظام کرلیجئے، میرے بچے ہیں، بہت پریشانی ہوتی ہے، اب کہاں جائیں؟ سارا سکون غارت، ہوٹل کی روٹی کب تک کھائیں، ہضم نہیں ہوتی، بچوں کو دست آنے لگے، بازار جاتے ہیں آٹا دال لئے پھرتے ہیں، اب آٹا دال کا بھاؤ معلوم ہوگیا اور بیوی کی قدر بھی معلوم ہوگئی، اب پچھتا رہے ہیں، رو رہے ہیں، راتوں کی نیند اُڑ گئی، اگر طلاقِ رجعی دی ہے تو پچھتائے گا اور اور شریعت میں اس کا حل موجود ہے، رجوع کرلے گا کہ کچھ بھی صحیح، عورت کھانا پکا کر تو کھلاتی ہے، بچوں کا پاخانہ تو دھو دیتی ہے، چین وسکون سے دوکان میں تو بیٹھ لیتے ہیں، دفتر تو سکون سے چلے جاتے ہیں، اگر طلاقِ رجعی دی ہے تو غور کرنے اور پچھتانے کے بعد مسئلہ آسان ہے، رجوع کرلے گا؛ لیکن اگر تین طلاقیں دے دیں جس کو طلاقِ مغلظہ کہتے ہیں، چاہے ایک ساتھ ایک جملہ میں طلاق دی ہو، تو بھی تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور اب نہ تو رجوع کرسکتے ہیں، نہ دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، نہ عدت کے اندر نہ عدت کے بعد۔

اِسی طرح عورت کا بھی حال ہے کہ طلاق کے بعد اس کو بھی اندازہ ہوجائے گا، پورے خاندان میں ذلت ورسوائی ہوگی کہ طلاق ہوگئی، طلاق ہوگئی، پہلے تو جب میکہ پہنچتی تھی تو یہ جملے سننے کو ملتے تھے کہ آپا اور ٹھہرو، آپ تو ٹھہرتی ہی نہیں، آئیں چل دیں، ذرا ایک دن تو رک جایا کرو، ان کے آنے سے خوشی ہوتی ہے، استقبال کیا جاتا ہے، اور اب جب طلاق مل گئی اب جب آتی ہیں تو کوئی سیدھے منہ بات نہیں کرتا، کوئی اچھی طرح بات کرنے کو تیار نہیں، آپس میں باتیں ہوتی ہیں کہ کہاں کی آفت آگئی؟ اب گھر میں ذلت سے پڑی

ہیں، پورے گھر کا کام کرتی ہیں، برتن دھوتی ہیں، سب کے کپڑے دھو رہی ہیں، بس دو روٹی مل جائیں گی، ذلت کی زندگی گذار رہی ہیں، اب عورت کی بھی آنکھیں کھل گئیں کہ سب کچھ گوارہ؛ لیکن اپنا گھر اپنا گھر ہوتا ہے، اپنے گھر میں عزت کے ساتھ دن ورات تو کٹتے تھے، اگر طلاقِ رجعی ہے تو رجوع آسان ہوتا ہے اور اگر طلاقِ بائن یا طلاقِ مغلظہ ہے تو پھر پچھتانے کے بعد بھی کچھ نتیجہ نہ نکلے گا، اس لئے بہت سوچ سمجھ کر طلاق دینا چاہئے۔

تقویٰ کی اہمت وفضیلت

اور تقویٰ اختیار کرنے سے پریشانی دور ہوتی ہے، اور رزق میں برکت بھی ہوتی ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مضرتوں سے نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے، جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی سبیل نکال دیتا ہے، طلاق کے احکام کا تذکرہ کرتے ہوئے بار بار تقویٰ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے رہو، وہ خوب جانتا ہے کہ تم طلاق کیوں دے رہے ہو؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق دینا تقویٰ کے خلاف ہے، جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ غیب سے اس کے لئے صورتیں پیدا کردیتا ہے۔

تقویٰ کی حقیقت، ہر مصیبت کا علاج تقویٰ اختیار کرنا ہے

تقویٰ خوفِ خدا کو اور اللہ کی اطاعت کرنے کو کہتے ہیں، جس کے اندر یہ بات پائی جاتی ہے یعنی اللہ کا خوف اور اللہ کی اطاعت، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی تمام پریشانیوں کو دور کردیتا ہے، روزی میں برکت دیتا ہے، ہر مصیبت کا علاج تقویٰ اختیار کرنا ہے، اگر گھر میں حالات ٹھیک نہیں ہیں، اولاد کہنا نہیں مانتی، بیوی نافرمانی کرتی ہے، نوکر کہنے پر نہیں چلتے، تو سمجھو کہ ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے، ہم سے تقویٰ چھوٹ رہا ہے، عورت کا شوہر اس سے ناراض ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہم سے کوئی غلطی ہو رہی ہے، ایسی عورت کو چاہئے کہ تقویٰ اختیار کرے اور اللہ کی طرف متوجہ ہو، عورت نافرمانی پر تلی ہوئی ہے، تو شوہر کو چاہئے کہ تقویٰ والی زندگی اختیار کرے، تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمام پریشانیوں کو دور کردیتا ہے۔

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ اور تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو ایسے طریقے سے رزق

پہنچاتا ہے کہ اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، تقویٰ کی وجہ سے رزق میں فراخی ہوتی ہے، تقویٰ کی برکت سے گناہ معاف ہوتے ہیں، سیئات کا کفارہ ہوتا ہے۔

الغرض جب بھی اپنے حالات خراب ہوں، مثلاً گھر میں نا اتفاقی ہو، تو اس کا علاج یہی ہے کہ ہر شخص اپنا جائزہ لے، ہر ایک اللہ کی طرف متوجہ ہو، اپنی غلطیوں پر نظر کرے، توبہ کرے، استغفار کرے، تقویٰ اختیار کرے، ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ غیب سے ایسی صورت پیدا کردے گا کہ اس کی پریشانی دور ہوگی، اللہ کا وعدہ ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ جو اللہ سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے راستہ نکال دیتا ہے، اس موقع پر اس کو اسی لئے بیان کیا گیا ہے کہ بندے تقویٰ اختیار کریں، کوئی ایسا کر کے تو دیکھے، اللہ کی طرف متوجہ تو ہو، توبہ واستغفار تو کرے، اللہ سے مانگے تو، دیکھو اللہ تعالیٰ دیتا ہے یا نہیں؟

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ رات کو مانگا صبح مل جائے، اِدھر مانگا فوراً ہاتھوں ہاتھ مل جائے، رات کو مانگا سرہانے تکیہ کے نیچے رکھا مل جائے، ملتا ضرور ہے، کام ہوگا ضرور، پریشانی دور ہوگی ضرور؛ لیکن ہر چیز کا طریقہ ہوتا ہے، ہر کام کا وقت ہوتا ہے، اللہ کے یہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے، وہ علیم بھی حکیم بھی ہے، انتظار کرو، جب وقت آئے گا مل کر رہے گا، ملنے میں کبھی تاخیر ہوتی ہے، اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے طریقہ سے دیتا ہے، حکمت ومصلحت سے دیتا ہے، اس کی حکمتوں کو کون جان سکتا ہے؟ اس لئے فوراً نہ ملنے سے اور فوراً دعا قبول نہ ہونے سے، فوراً پریشانی دور نہ ہونے سے گھبرائے نہیں، پریشان نہ ہو، اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے، اس کو سب باتوں کی خبر ہے، اپنی حکمت سے جب چاہے گا کرے گا۔

ایک بزرگ کا قصہ

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ جب کوئی ان کی نافرمانی کرتا، گھر کے لوگ بات نہ مانتے، حتیٰ کہ گھوڑا بھی اگر ان کے کہنے پر نہ چلتا، تو فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوتے، توبہ واستغفار کرتے کہ یا اللہ ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے، معاف فرمادیجئے، چناں چہ اس کے بعد ان کے حالات درست ہوجاتے، یہ ان کا ہمیشہ کا معمول اور تجربہ تھا، ایسے موقعوں میں ہم کو بھی خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

احقر راقم الحروف جامع عرض کرتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں طلبہ میں

آپس میں اختلاف ہوگیا، اسٹرائک کے حالات پیدا ہوگئے، بعض طلبہ نے حضرت کی شان میں سخت گستاخیاں کیں، حضرتؒ نے نہایت سنجیدگی اور نرمی سے مسئلہ کو سلجھایا، بعد نماز عشاء سارے طلبہ کے سامنے تقریر فرمائی۔ اس میں حضرت نے یہ جملہ بھی اپنے شاگردوں اور طلبہ کے سامنے بیان فرمایا کہ میرا قصور ہے، مجھ سے غلطی ہوئی ہے، میں تم کو بتاؤں کیا غلطی ہوئی؟ مجھ سے معمولات چھوٹے، معمولات کا ناغہ ہوا، ذکر میں کوتاہی ہوئی، اس کی سزا یہ مجھے ملی ہے، مجھ سے جب کبھی ایسی غلطی ہوتی ہے تو غیب سے طمانچہ لگتا ہے، اور اصلاح ہوجاتی ہے، حضرتؒ کے اس جملہ سے طلبہ بہت شرمندہ اور آب دیدہ ہوئے اور سب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، سب ایک دوسرے سے گلے ملے اور معاملہ ختم ہوگیا۔

شوہر بیوی میں نباہ کی آسان صورت

زوجین کے درمیان نااتفاقی کی صورت میں شوہر کے لئے ہدایت یہ ہے کہ بیوی سے اگر کوئی غلطی ہوجائے تو درگذر کرے، معاف کرے، نرمی برتے، تفریق کی صورت اختیار نہ کرے، یہ نہ ہو کہ ذراسی بات میں طلاق، طلاق، طلاق، آپس میں نباہ کی یہی صورت ہے کہ شوہر زائد سے زائد احسان کرنے اور بیوی کو دینے آرام پہنچانے کا جذبہ رکھے، اس کو آرام پہنچانے کی کوشش کرے، اور عورت کم سے کم لینے کا جذبہ رکھے، تھوڑے میں قناعت کرے، اپنے کو تکلیف میں ڈال کر شوہر کو آرام پہنچانے کی کوشش کرے، نباہ کی یہی آسان صورت ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے آیت: ﴿وَاَنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا﴾ کے تحت لکھا ہے کہ اہل وعیال سے کوئی کام خلافِ شرع بھی ہوجائے تو اُن سے بیزار ہوجانا اور ان سے بغض رکھنا یا اُن کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں۔ (معارف القرآن ۸/۴۷)

معافی تلافی کا طریقہ

زوجین کیلئے ہدایت ہے اور سب کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ اگر کسی سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معافی تلافی کرلے، دل میں نہ رکھے، معافی مانگنے کے لئے اجمالی طور سے معافی مانگنا بھی کافی ہے، غلطی کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، بسا اوقات غلطی بتلانے سے کہ میں نے یہ غلطی کی ہے، مزید دوری ہوجاتی ہے، تکلیف ہوجاتی ہے، مثلاً کسی نے کسی کی غیبت اور چغلی کی ہے، تو اجمالی طور سے معافی مانگ لے، اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا عہد کرے، جس کا ذہن گندہ کیا ہو، اُس کا ذہن صاف کردے، بس کافی ہے یہ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ فلاں موقع پر ہم نے یہ غیبت کی تھی، اس سے اس کو تکلیف ہوگی۔ ○❖○

آخری قسط

کامیاب اُستاذ کی صفات

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب رئیس جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

درس کی تیاری

عربی پڑھانے والے اساتذہ کرام اگر چاہتے ہیں کہ وہ کامیاب مدرس بنیں اور طلباء ان سے خوب فائدہ اٹھائیں، تو انہیں چاہیے کہ ہر سبق پڑھانے سے پہلے اسے خوب دیکھیں اور اچھی طرح اس کا مطالعہ کریں، اگر کسی عبارت یا لفظ میں طباعت کی غلطی دیکھیں تو اسے درست کردیں اور پڑھاتے وقت طلباء سے بھی وہ غلطی درست کرالیں۔ نیز سبق پڑھانے سے پہلے سبق کا مکمل نقشہ ذہن میں بنالیں کہ آپ اسے کس طرح طلباء کو پڑھائیں گے۔

تنبیہ

یاد رہے کہ کتابوں میں کبھی کاتب کی غلطی سے (جو عموماً غیر علماء ہوتے ہیں) یا حروف جوڑتے وقت یا ٹائپ کرتے وقت بعض آیاتِ کریمہ، اسی طرح احادیث شریفہ یا کسی عبارت میں طباعت کی غلطیاں رہ جاتی ہیں، لہٰذا ایسی اغلاط کو بجائے اس کے کہ مصنف کی طرف منسوب کرکے اسے تحریف کا مرتکب قرار دیا جائے، جو کہ ایک مؤمن کی دیانت کے خلاف ہے، بلکہ اُسے دُرست کرلینا چاہیے۔ خصوصاً جب کہ وہ عالم ثقہ، بااعتماد اور اہلِ علم میں مسلمہ شخصیت بھی ہو۔

ترغیب

طلباء کے دلوں میں ترغیب کے ذریعہ علم اور اُس مضمون کا شوق پیدا کرنا ایک کامیاب استاذ کی صفات میں سے ہے، تاکہ طلباء کے ذہنوں میں اس علم اور مضمون کی اہمیت پیدا ہو، اور وہ اس علم کو شوق ورغبت سے حاصل کریں۔ اس کے لیے استاذ کو کتب حدیث میں ''کتاب العلم'' کا مطالعہ کرکے اس میں

سے چند مطلوبہ احادیث کا اِنتخاب کرنا چاہیے۔

طلباء کے ساتھ شفقت ورحمت

ایک معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ نہایت مشفق اور ہمدرد ہو، حضور صلی اللہ علیہ وَسلم میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی، آپ معلم ہونے کے ساتھ ایک والد کی طرح مشفق اور مہربان بھی تھے، آپ کی زبان نہایت پاکیزہ تھی، آپ نے کبھی گالی گلوچ سے کام نہیں لیا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے آپ سے بہتر نہ آپ سے پہلے کوئی معلم دیکھا نہ آپ کے بعد، خدا کی قسم نہ آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مجھے مارا اور نہ مجھے برا بھلا کہا۔''

ایک کامیاب معلم کی خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت بلند اخلاق کا مالک ہو۔

نیز ایک معلم کا کمال یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ شاگردوں کی صحیح تربیت بھی کرے اور خود اپنی ذات کو بطورِ عملی نمونہ پیش کرے، آپ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:

''آپ ان کی تربیت اور تزکیہ فرماتے ہیں''۔

اور قرآن نے آپ کی زندگی کو پوری امت کے لیے بطورِ اُسوۂ حسنہ پیش کیا۔

لہٰذا اُستاذ کو طلباء پر نہایت شفیق اور ان کے ساتھ نرمی اور رحم کا سلوک کرنا چاہیے، اُستاذ طلباء کو اپنی اولاد کی طرح عزیز سمجھے، ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دے۔ ان کی تربیت، علم، اخلاق اور اَچھی عادات اپنانے میں ان پر اس طرح محنت کرے جس طرح اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے۔

طلباء کی نگرانی

اُستاذ کے فرائض منصبی میں یہ بھی داخل ہے کہ درس گاہ اور درس گاہ سے باہر حتی الامکان طلباء پر نگاہ رکھے اور دیکھے کہ وہ علم میں آگے بڑھ رہے ہیں یا نہیں؟ خصوصاً اس مضمون میں جس کو وہ استاذ انہیں پڑھا رہا ہے اور دیکھے کہ کیا وہ درس گاہ میں سبق کے دوران توجہ سے بیٹھتے ہیں؟ کیا وہ محنت کرتے ہیں؟ تکرار اور مطالعہ کرتے ہیں؟ اسباق میں پابندی سے حاضر ہوتے ہیں یا نہیں؟ وغیرہ نیز جہاں تک ممکن ہو ان کی اخلاقی حالت کا بھی خیال رکھے، وقتاً فوقتاً ان کے حالات معلوم کرتا رہے کہ وہ درس گاہ سے باہر کیسے رہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وَسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی خبر گیری فرماتے تھے، اگر کسی کو نہ دیکھ پاتے تو پوچھتے

کہ فلاں کیوں نہیں آئے؟ اگر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں تو آپ ان کی مزاج پُرسی کے لیے تشریف لے جاتے۔

عربی زبان کی قدر و منزلت

ایک طالب علم میں بنیادی طور پر علم کا شوق اور اس کے حصول کا جذبہ ہونا چاہیے، تاکہ وہ علم کو اپنا مقصد بنا کر اسے حاصل کرنے کے لیے پوری پوری محنت کرے۔ طالبِ علم میں علم کا شوق اور اس کی محبت کبھی فطری ہوتی ہے، افراد کے اعتبار سے اس میں قلت و کثرت کا اعتبار اگرچہ رہتا ہے اور بعض میں یہ شوق بہت ہی کم ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اسے پیدا کرنے اور اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس میں استاذ کے عمل اور کردار کو بڑا دخل ہے۔ ایک عقل مند اور تجربہ کار استاذ ہی طلباء میں یہ شوق و ذوق پیدا کرسکتا ہے اور اسے مزید آگے بڑھا سکتا ہے۔ اس کا اچھا اور آسان طریقہ یہ ہے کہ استاذ تعلیم شروع کرنے سے پہلے اور تعلیم کے دوران وقتاً فوقتاً طلباء کے سامنے علم اور علماء کے فضائل، ان کا مرتبہ و مقام خصوصاً عربی زبان کی فضیلت اور اس کی اہمیت بیان کرتا رہے اور طلباء کو بتائے کہ عربی زبان کی قدر و منزلت دینی، اجتماعی اور سیاسی ہر اعتبار سے بہت اونچی ہے۔ عربی زبان قرآنِ کریم اور وحی کی زبان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ اور ''جوامع الکلم'' کے حامل تھے، لہٰذا شرعی احکام کو اس کے صاف ستھرے مصادر سے براہِ راست حاصل کرنے اور اسلامی ثقافت کو اسلام کی علمی تُراث سے حاصل کرنے کے لیے عربی زبان پر دسترس ضروری ہے، خصوصاً اسلام کے دور سے پہلے کی عربی زبان جس میں یہ قرآن نازل ہوا، اس سے قرآن کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے، کیوں کہ یہی لوگ اس کے پہلے مخاطب تھے، اس لیے ایک مسلمان طالب علم کے سامنے عربی سیکھنے کا یہی اعلیٰ مقصد ہونا چاہیے۔ جہاں تک عربی زبان کی اجتماعی اور سیاسی اعتبار سے اہمیت ہے، تو یہ عرب، اِسلامی ممالک اور اُمت اِسلامیہ کے مختلف افراد کے درمیان ایمان کے بعد مضبوط ترین رابطہ ہے۔

چناں چہ جب عربی جاننے والے دو مسلمان ایک مشرق اور دوسرا مغرب کا رہنے والا باہم ملتے ہیں، تو ان کے لیے آپس میں افہام و تفہیم بہت آسان ہوجاتی ہے۔ ہر ایک دوسرے کے سامنے اپنے دلی جذبات اور محبت کا اِظہار کرسکتا ہے، ایک دوسرے کے حالات اور مسائل سے براہِ راست مطلع ہوسکتا ہے، جب کہ بسا اوقات عالمی اجنبی خبر رساں ایجنسیاں مسلمانوں کے حالات کو مسخ کر کے پیش کرتی ہیں جو ان

کے لیے مزید پریشانی کا سبب بنتی ہیں۔ اگر عربی سیکھنے والوں میں ایسے طلباء بھی ہوں جو علم کے بجائے زبان کو بحیثیت زبان سیکھنا چاہتے ہیں تو ان کو بھی شوق دلایا جائے کہ اگر وہ کسی عرب ملک میں ملازمت یا سیاحت کے لیے جائیں گے تو وہ عربی زبان جاننے کی بنا پر اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب رہیں گے۔ اب یہ ایک اچھے تجربہ کار استاذ کا کام ہے کہ عربی کی تعلیم کے دوران ایسے طلباء کی روحانی اور فکری تربیت کرے اور ان کو دین اور دینی اعمال کی طرف دعوت دے۔ اگر عربی کا استاذ کسی مسجد میں امام اور خطیب ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے مقتدیوں کو عربی زبان سیکھنے کی ترغیب دے، ان کے لیے مسجد یا مسجد سے متصل کسی ہال میں ان کے پڑھانے کا انتظام کرے۔ روزانہ یا ہفتہ میں تین دن ان کو پڑھائے اور ان کی ذہنی اور دینی تربیت کرے۔ اگر عربی کا استاذ کسی غیر مسلم ملک میں ہے اور وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور عربی پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں تو اسے چاہیے کہ ان کے لیے بھی عربی پڑھانے کا انتظام کرے۔ اور دورانِ تعلیم ان کے سامنے نہایت حکمت کے ساتھ اسلام کے محاسن اور اس کی عمدہ اور آسان تعلیمات کا تذکرہ کرتا رہے، شاید یہی بات ان کے لیے ہدایت کا سبب بن جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان پیش نظر رہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ: اگر اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت نصیب کردے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

نیز مقتدیوں کو عربی پڑھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہ عربی سیکھنے کے بعد جمعہ کا خطبہ اور نماز میں پڑھی جانے والی سورتیں اور مختلف اوراد کسی درجہ میں سمجھنے لگیں گے۔ اس طرح امام اور مقتدیوں میں بحیثیت استاذ وشاگرد مزید ایک قلبی اور روحانی تعلق بڑھ جائے گا اور ایسے مسائل بھی رونما نہیں ہوں گے جو عموماً امام اور مقتدیوں کے درمیان بُعد کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

آخری بات

آخر میں اپنی ان معروضات کی روشنی میں اپنی تعلیمی برادری کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرتا ہوں۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک معلم اور استاد کا اسلام میں کیا مقام ہے، معلمین حضرات

حقیقت میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کے وارث ہیں: ''اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ'' اور مرتبہ عظیم کے ساتھ عظیم تر ذمہ داریاں بھی انہیں پر عائد ہوتی ہیں۔

اس لیے ہم صدقِ دِل سے یہ عہد کریں کہ ہم اپنے اندر وہ تمام صفات پیدا کریں گے جو ایک معلم کامل میں مطلوب ہیں اور اپنے سامنے ہمیشہ معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو بطورِ معیار کے رکھیں گے۔

ہم ان اوصاف کو اپناتے ہوئے اپنی علمی درس گاہوں کا معیار بلند کریں، ہمارے مدارس، ہمارے اسلامی اسکولز، ہماری اسلامی یونی ورسٹیاں، ہمارے علمی ادارے اپنے تعلیمی معیار میں تربیتی اعتبار سے، نظام کے اعتبار سے، اخلاق کے اعتبار سے، وقار کے اعتبار سے، صفائی اور نظافت کے اعتبار سے اتنے بلند ہوں کہ طلباء ان کی طرف کھنچے ہوئے آئیں اور کسی دوسری طرف اپنا رُخ نہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ جب تم کوئی کام کرو تو اسے خوش اسلوبی سے کرو''۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر ہماری کوتاہیوں سے ہمارے علمی اداروں کا معیارِ تعلیم پست ہوا اور ہمارے بچوں نے غیر مسلموں کے تعلیمی اداروں کا رخ کیا اور اس کے نتیجہ میں وہ اپنے دین سے منحرف ہوئے اور اپنے قومی اور وطنی جذبہ سے محروم ہوئے تو اس کی ذمہ داری اور وبال سب پر پڑے گا اور اس کا جواب ہمیں کل اللہ کے سامنے دینا ہوگا اور اس ذمہ داری کا احساس ہر فرد کو ہونا چاہیے خصوصاً تعلیمی اداروں کے ذمہ دار حضرات اور وزارتِ تعلیم کے سرکردہ افراد کو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خصوصاً تعلیمی میدان میں کام کرنے والوں اور اساتذہ و معلمین کو معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ واللہ ولی التوفیق۔ ☐☐☐

تمام دینوی واُخروی پریشانیوں اور دشواریوں کے حل کے لئے
اکابر واسلاف کے آزمودہ

مستند وظائف ومعمولات

مرتب: مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

صفحات: ۱۴۴ ○ ہدیہ: ۴۰ روپے ○ ڈاک خرچ بذمہ خریدار

غموں اور صدموں سے نڈھال لوگوں کی تسلی اور صبر کے حصول کیلئے رہنما کتاب
حضرت نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے

غموں اور صدموں بھرے لمحات وواقعات

مرتب: مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

صفحات: ۶۴ ○ ہدیہ ۳۰ روپے ○ ڈاک خرچ بذمہ خریدار

ناشر: - ☐ مکتبۃ الاصلاح دارالطلبہ مدرسہ شاہی مرادآباد، موبائل: 09410679786

ڈاک سے منگوانے پتہ: - ☐ دارالعلم نزد مجاہد جنرل اسٹور دیوبند ضلع سہارنپور، موبائل: 09760333374

اشتہار

آخری قسط

رمضان المبارک: رحمتوں کا مہینہ

مولانا مفتی محمد اجمل صاحب قاسمی اُستاذِ اَدب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

کریم آقا نے بندوں کی نیکیوں میں اضافے کے لئے تیسرا انتظام یہ کیا ہے کہ اُس نے نیک اعمال میں گناہوں اور برائیوں کو مٹانے کی تاثیر رکھ دی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل واحسان ہے کہ انسان کام ایک کرتا ہے اور صلہ اس میں دوہرا ملتا ہے، اگر انسان اپنی زندگی میں نیکیوں کا اہتمام جاری رکھے، تو اس کے نامہ اعمال میں بھلائیاں بڑھتی رہیں گی اور برائیاں خودبخود کم ہوتی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَقِمِ الصَّلاَ ةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ، اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئٰتِ، ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰاکِرِيْنَ. (هود: ١١٤)

اور آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں اور رات کے کچھ حصوں میں، بے شک نیکیاں مٹادیتی ہیں بدیوں کو، یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

انسان کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طرح طرح کے ناخوش گوار حالات پیدا ہوتے ہیں، بندوں کی طرف سے بھی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، ان مشکل حالات میں اپنے نفس کو جمائے رکھنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان اچھا رکھنا، اور اس کے فیصلے پر راضی رہتے ہوئے اس کے سامنے اپنی مجبوری اور لاچاری کا اظہار کرکے مصیبت کو دور کرنے کی دعا کرنا شریعت کی زبان میں صبر کہلاتا ہے، یہ صبر بھی بندے کیلئے درجات کی ترقی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجروثواب اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنتا ہے، گویا کہ بندے کی نیکیوں کو بڑھانے اور اس کے گناہوں کو کم کرنے کا قدرت کی طرف سے یہ بھی زبردست انتظام ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اِنَّ عُظْمَ الْجَزَاءِ مَعَ عُظْمِ الْبَلاَءِ، وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلاَهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بڑا ثواب بڑی آزمائش پر ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو اسے آزماتا ہے، اب جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں راضی رہے

فَلَهُ السُّخطُ. (سنن الترمذي رقم: ٢٣٢٠) تو اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی اس کے لئے رضا ہے، اور جو ناراض ہوا تو اس کے لئے ناراضگی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ یَزَالُ الْبَلاءُ بِالْمُؤْمِنِ أَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ تَعَالىٰ، وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ. (شعب الإيمان للبيهقي رقم: ٩٤٩٤) مؤمن بندے اور بندی کے ساتھ اس کی ذات اس کے مال اور اس کی اولاد میں آزمائش کا سلسلہ لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے اور (آزمائش) کی وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہیں رہ جاتا۔

نیکی اور اللہ کی فرماں برداری کے کام کرنا عموماً نفس پر گراں اور شاق ہوتے ہیں، اور گناہ کے کاموں میں عموماً نفس کو بڑی چاہت ہوتی ہے، نفس کو مشقت پر آمادہ کر کے اللہ کی رضا والے کام کرنا اور اس پر جبر کر کے اس کو گناہوں سے باز رکھنا بھی صبر ہے؛ بلکہ صبر کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اس صبر کے صلہ میں بندے کو اللہ کی خصوصی معیت اور رفاقت ملتی ہے، اور اللہ کا خصوصی فضل اور توفیق شامل حال ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ. (البقرة: ١٥٣) اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو، بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والے لوگوں کے ساتھ ہے۔

صبر واستقامت کے ذریعہ ذکر وشکر، نماز وزکوٰۃ، روزہ اور جہاد، غرض کہ تمام عبادات بندے کے لئے آسان ہوجاتی ہیں، یہ وہ شاہِ کلید ہے جو ہاتھ آجائے، تو اللہ کے تمام احکام کی بجا آوری آسان ہوجائے۔ (مستفاد از: روح المعانی ۱۹/۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى. فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى. (النازعات: ٤٠-٤١) بہرحال جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا، اور نفس کو خواہشات سے باز رکھا، تو اُس کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔

نفس کو خواہشات سے باز رکھنے میں بڑے صبر کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس صبر کا صلہ اللہ کے یہاں جنت ہے، دونوں آیتوں میں جس صبر کا تذکرہ ہے، اور جس پر اللہ کا زبردست وعدہ ہے، وہ صبر کی اعلیٰ ترین قسم ہے، جس کو صبر علی الطاعات اور صبر علی المعصیت کہا جاتا ہے، صبر کی یہ قسم جس بندے کو حاصل

ہوجاتی ہے، اُس کے لئے ان پر چلنا آسان ہوجاتا ہے۔

یوں تو مولیٰ کی جن عنایتوں اور شفقتوں کا تذکرہ اوپر کی سطروں میں ہوا، یہ کرم نوازیاں بندوں پر ہمہ وقت اور ہر جگہ ہیں، اور موسم ومکان کی قید سے آزاد ہیں؛ لیکن رمضان المبارک کی بات کچھ اور ہی ہے، جب نیکیوں کا یہ موسم بہار آتا ہے اور اُس کی رحمتوں اور برکتوں کا قافلہ آکر اس عالم رنگ وبو میں پڑاؤ کرتا ہے، تو ٹھہر کر برسنے والی گھٹاؤں کا فیض عام بھی ابر کرم کی روحانی موسلا دھار بارش کے سامنے ہیچ ہوجاتا ہے، ایک طرف بندوں کی نیکیوں میں اضافے اور اُن کے گناہوں کی معافی کے وہ انتظامات جن کا تذکرہ ابھی گذرا، ان میں زبردست وسعت پیدا کی جاتی ہے۔ دوسری طرف اس موسم بہار میں نیکیوں کا ماحول پیدا کرنے کے لئے قدرت کی طرف سے عجیب وغریب اہتمام کئے جاتے ہیں، اور فضاء کو نیکیوں کے لئے ہموار اور سازگار کیا جاتا ہے؛ تاکہ بندے اس موسم بہار اور فصل گل سے پورا فائدہ اٹھاسکیں، اور ان کے رب نے ان کی کامیابی، ان کی معافی اور ان کی نیکیوں میں اضافے کے لئے جو انتظامات کئے ہیں، اُن کی قدر کرسکیں۔

انسان نفسیاتی طور پر کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ انفرادی کام اسے بھاری اور مشکل معلوم ہوتا ہے، اور وہی کام اگر چند افراد مل کر انجام دیں، تو کرنے والوں میں ایک جوش اور ولولہ ہوتا ہے، دیکھا دیکھی بڑھ چڑھ کر کام کرنے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ: ’’خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے‘‘۔ اس طرح کام اپنی ذات کے اعتبار سے مشکل ہی کیوں نہ ہو، اجتماعیت کی برکت سے آسان ہوجاتا ہے۔ رمضان المبارک میں قدم قدم پر اجتماعیت کا لحاظ رکھا گیا ہے، چناں چہ روزہ تمام مسلمانوں پر متعین تاریخ میں فرض ہوتا ہے، الگ الگ اوقات میں فرض نہیں ہوتا ہے، پھر روزے کے شروع اور ختم کا وقت بھی سب کے لئے ایک ہے، صبح صادق سے شروع ہوگا اور غروبِ آفتاب پر ختم ہوگا، تراویح بھی انفرادی طور پر مشروع کرنے کے بجائے باجماعت مشروع کی گئی، اس اجتماعیت کی برکت سے نیک اعمال اور عبادات کی ادائیگی بندوں کے لئے آسان ہوتی ہے، اور نیکی کا ایک ماحول بھی وجود میں آتا ہے۔

اس کے علاوہ ماحول کو نیکیوں کے لئے سازگار بنانے کے لئے غیبی انتظامات بھی کئے جاتے ہیں،

چناں چہ جہاں نفس کو ایک لمبے وقت تک بھوکا پیاسا رکھ کر اس میں برائی کے داخلی محرک کو کمزور کیا جاتا ہے، وہیں برائی کے سب سے بڑے اور طاقتور خارجی محرک کو بھی رمضان المبارک میں پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے، چناں چہ پورے مہینے سرکش شیاطین اور جنات قید رہتے ہیں، اور انہیں کار خیر کی بجا آوری میں رکاوٹیں کھڑی کرنے اور نفس کو برائیوں پر آمادہ کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔

رمضان کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس ماہ میں جنت کے سبھی دروازے کھول دئے جاتے ہیں، کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا، اور جہنم کے سبھی دروازے بند رکھے جاتے ہیں، کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا، یہ بھی درحقیقت ماحول کو نیکیوں کے سازگار بنانے کا ایک غیبی انتظام ہے، اس غیبی نظام کو رمضان المبارک کے ماحول کو خوش گوار اور روحانی ماحول بنانے میں کیا کیا دخل ہوگا؟ اس کا مکمل علم تو بس عالم الغیب ہی کو ہے؛ لیکن اتنی بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ جنت کو تمام تر مناسبت اچھے اعمال ہی سے ہے، نیک اعمال ہی سے وہاں درخت تیار ہوتے ہیں، نیک ہی لوگ اس میں داخلہ پاسکیں گے، تو عجب نہیں کہ اللہ نے جنت کی نورانی فضا میں یہ تاثیر رکھی ہو کہ وہ بندوں کو نیکیوں کی طرف کھینچتی ہو، چناں چہ ماہِ مبارک میں اس کے تمام دروازے اس لئے کھول دئے جاتے ہیں؛ تا کہ وہاں کی بادِ بہاری کا فیض عام اس عالم رنگ وبو میں پہنچ کر مشامِ جان کو معطر کرے، اور نسیم قدس کی موجیں مؤمنین کے قلوب سے گذر کر اُن میں نشاط کی لہر اور عمل کی گرمی پیدا کر دیں، اس کے برعکس جہنم گناہوں کے زنگ اور کدورت کو جلانے والی بھٹی کا نام ہے، اس کو تمام تر مناسبت برے اعمال سے ہے، اور عجب نہیں کہ اس کی فضا میں یہ تاثیر بھی ہو کہ وہ برائیوں کی طرف کھینچتی ہوں، اور اس سے اٹھنے والی لہروں کی نحوست بندوں کو اچھے اعمال سے متوحش کرتی ہو، اس لئے اس کے تمام دروازوں کے بند کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہو؛ تا کہ بندے برائیوں سے بچے رہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَفُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، فَلَمْ يُغْلَقْ	جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے، تو شیاطین اور سرکش جناتوں کو قید کر دیا جاتا ہے، اور جہنم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں، چناں چہ اس کا کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا، اور جنت کے

مِنْهَا بَابٌ. (سنن الترمذي ١٤٧/١، سنن ابن ماجة ١١٩، مشكاة المصابيح ١٧٣/١) دروازے کھول دئے جاتے ہیں، چناں چہ اس کا کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔

یہ تو تذکرہ تھا رمضان المبارک میں ماحول کو نیکیوں کے لئے سازگار بنانے والے غیبی اہتمام کا، جہاں اس ماہِ مبارک میں ماحول کو سازگار بنانے کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے، وہیں نیکیوں میں اضافے کا بھی زبردست انتظام ہے، اور قدم قدم پر گناہوں کی معافی کے مواقع پیدا کئے گئے ہیں۔ چناں چہ عام دنوں میں نیکیوں میں اضافے کی کم سے کم شرح یہ رکھی گئی ہے کہ ایک نیکی کو دس شمار کیا جاتا ہے، لیکن رمضان المبارک میں اِضافے کی یہ ادنی شرح بھی بڑھ کر ستر ہو جاتی ہے۔ اور نفل کی حیثیت فرض جیسی ہو جاتی ہے، عام دنوں میں فرض کی ادائیگی پر جو ثواب ملتا ہے، وہی ثواب رمضان میں نفل کی ادائیگی پر ملتا ہے۔ عام دنوں میں پانچ فرض نمازوں کی ادائیگی پر پچاس نمازوں کا ثواب ملتا ہے، تو رمضان میں ایک ہی فرض ادا کرنے پر ستر فرض کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے۔ بندوں کو نوازنے کا یہ سلسلہ تو پورے رمضان رہتا ہے؛ لیکن رمضان میں بھی ایک خاص وقت شب قدر کا آتا ہے۔ اس رات میں بندوں پر مولیٰ کے ابر کرم کی جو نوازش ہوتی ہے، وہ حد تصور سے باہر ہے، تنہا اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی بہتر ہے، تنہا اس رات میں بندہ اپنے رب کے قرب میں جو تیز رفتار ترقی کرتا ہے، وہ ۸۳؍سال میں بھی نہیں کر سکتا، کیا ٹھکانا ہے مالک کے کرم کا؟ کتنے ہیں جن کو ۸۴؍سال کی عمر ملتی ہے؟ اور جن کو مل بھی جاتی ہے تو ان کی عمر کا کتنا حصہ عبادات میں استعمال ہو پاتا ہے۔ شروع کے ۱۲-۱۳؍سال تو لڑکپن میں گذر جاتے ہیں، اور بالغ ہونے کے بعد بھی عمر کا زیادہ حصہ فضول مشغلوں میں گذرتا ہے، اب اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو اور بندے کو اپنی زندگی کی تمام شب قدر نہ ملیں، کچھ ہی مل جائیں اور بندہ انہیں اعمال سے آباد کرلے جائے، تو وہ کیسا خوش نصیب ہوگا کہ کل عمر تو اسے ملی ۶۰-۶۵؍سال، اور عبادت اس کے پاس ہوں گی سیکڑوں سال کی۔ سچ کہا گیا کہ جو اس رات سے محروم ہوگا، حقیقت میں محروم کہے جانے کا مستحق وہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینے کی فضیلت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُم شَهرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ

اے لوگو! تم پر ایک عظیم اور ایک مبارک مہینہ سایہ فگن ہوا ہے، اس مہینے میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں

أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ. (صحيح ابن خزيمة رقم: ۱۷۸۰، شعب الإيمان للبيهقي رقم: ۳٤۵۵)

سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزوں کو فرض اور اس کی رات میں قیام کرنے (نماز تراویح پڑھنے) کو نفل قرار دیا ہے، جو آدمی اس مہینے میں خیر کا کوئی کام کرے گا (یعنی نفل یا سنت ادا کرے گا) تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر ثواب ملے گا، اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔

بندوں کے قصور اور گناہوں کی معافی کے لئے یوں تو توبہ کا دروازہ ہمیشہ ہی کھلا رہتا ہے، اور بندہ جب چاہے اپنے رب کے حضور ندامت کے آنسو بہا کر اپنے دل سے گناہوں کی سیاہی کو دھل لے، اور اپنے نامہ اعمال کو اُجلا کر لے؛ لیکن رات کے پچھلے پہر مالکِ کائنات بندوں کے گناہوں کی معافی کے لئے خصوصی توجہ کرتا ہے، اور نچلے آسمان پر اپنی شایانِ شان نزول فرماتا ہے، اور بندوں کو یہ ندا دیتا ہے: ’’کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے کہ میں اُسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے کہ میں اُس کے گناہوں کو معاف کروں‘‘؟ (متفق علیہ، مشکوٰۃ شریف ۱۰۹)

لیکن رمضان المبارک میں بندے پر مولیٰ کے کرم کی ارزانی اور فراوانی کا یہ حال ہوتا ہے کہ جیسے ہی رمضان کی پہلی رات آتی ہے، اس کی خصوصی توجہ فوراً بندوں کی طرف مبذول ہوجاتی ہے، اور یہ سلسلہ پورے رمضان رہتا ہے، جوں ہی رمضان کی پہلی رات آتی ہے، عالم قدس کے منادی کی دلنواز ندا بندوں کو یہ کہہ کر اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کردیتی ہے: ’’اے بھلائی کے طالب! آگے بڑھ اور اے برائی کے طالب باز آجا‘‘۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَيُنَادِيْ مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ! وَيَا

جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے، تو شیاطین اور سرکش جناتوں کو قید کردیا جاتا ہے...... اور ایک ندا لگانے والا یہ ندا لگاتا ہے کہ اے بھلائی

بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرُ! وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذٰلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ. (سنن الترمذي ١٤٧/١، سنن ابن ماجة ١١٩، مشكاة المصابيح ١٧٣/١)

کے طالب آگے بڑھ، اور اے برائی کے طالب باز آجا، اور اللہ کی طرف سے بندوں کو آگ سے خلاصی ملتی ہے اور یہ سلسلہ ہر رات رہتا ہے۔

عام دنوں میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ جو رات کے پچھلے پہر ہوتی ہے، اُس سے تو ہمت والے سعادت مند باتوفیق بندے ہی فیض یاب ہوسکتے ہیں، ماہِ مبارک میں اللہ کے کرم کی یہ ارزانی ہوتی ہے کہ دن کا سورج غروب ہوتے ہی اس کی خصوصی رحمت بندے کی طرف متوجہ ہوکر انہیں اپنی طرف بلانا شروع کردیتی ہے، برائی کی طرف بڑھتے قدم کو مولیٰ کی بے وفائی اور بغاوت سے باز آنے کو کہتی ہے، اور بہت سے مجرم گنہگار بندے جو عالم قدس کے منادی کی صدا پر کان دھر کے اپنے مولیٰ سے اپنے گناہوں سے معافی چاہ لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں دوزخ کی آگ سے خلاصی دے دیتا ہے۔ جو بندے چاہنے کے باوجود اپنی کسل مندی اور کم ہمتی سے عام دنوں میں شب کے اخیر میں رحمتوں کی پھوار سے اپنے کو بہرہ ور نہیں کرپاتے، اُن کے لئے رمضان میں کتنا اچھا موقع فراہم ہے، اس موقع کی قدر کرکے وہ اپنی برائیوں کے بڑے سے بڑے طومار کو ختم کرسکتے ہیں، اپنے دل کو گناہوں کی ظلمت، اور اپنے نامہ اعمال کو خطاؤں کی سیاہی سے اجلا کرسکتے ہیں، کاش گلوں کی کثرت اور بہتات دیکھ کر ہم بھی اپنے دامن کو ذرا دراز کرلیں، اور ان مواقع کی کچھ قدر کرلیں۔ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ بندوں کو مغفرت سے نوازنے اور قصوروں کو معاف کرنے کا ایک بہت اہم موقع عطا کرتا ہے؛ لیکن بندے کا دست کوتاہ رہ جاتا ہے، دینے والا تو پھولوں کے چمن دیتا ہے؛ لیکن لینے والے چند کلیوں پر قناعت کرنے کی حماقت دہراتے رہتے ہیں۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں ❖ راہ دکھلائیں کیسے رہروِ منزل ہی نہیں

خلاصہ یہ کہ اللہ رب العزت بندے کے ضعف پر رحم کرتے ہوئے بطور خاص رمضان میں بندوں کے تمام گناہوں کی معافی کا ایک بہت ہی آسان موقع فراہم کرتا ہے، بندہ اگر اس موقع کی قدر کرلے، تو وہ اپنی ساری عمر کی ناکامیوں کو کامیابی سے بدل کر دوزخ سے خلاصی پاسکتا ہے، اور جنت میں داخلہ کا مستحق ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بندے کی مغفرت کے جو عام انتظامات کئے ہیں، رمضان المبارک میں

اس میں کیسی کیسی وسعت پیدا کردی جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے گذرا کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے اعمال میں بندے کے لئے دوہرا فائدہ رکھا ہے، ایک طرف ان سے ثواب ملتا ہے تو دوسری طرف ان سے گناہ مٹتے ہیں، گویا اچھے اعمال نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ برائیوں کو بھی کم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمام اعمالِ صالحہ میں یہ تاثیر رکھی ہے؛ لیکن رمضان کے روزے اور اس ماہ میں کئے جانے والے اعمال میں یہ تاثیر کچھ سوا ہے، رمضان المبارک میں دن کے روزے اور رات کی تراویح اگر بندہ اخلاص سے ادا کرلے جائے، تو اُس کی برکت سے اس کے سارے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (صحيح البخاري ٢٥٥/١ رقم: ١٨٦٣، صحيح مسلم ٢٥٩/١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جولوگ رمضان کے روزے ایمان واحتساب یعنی اللہ کے وعدوں پر یقین اور اس کے بتائے ہوئے اجر وثواب کی طمع اور امید کے ساتھ رکھیں گے، تو اُن کے سب گذشتہ گناہ معاف کردئے جائیں گے، اور ایسے ہی جو لوگ ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح وتہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے، اوراسی طرح جولوگ شب قدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے اُن کے بھی سارے پچھلے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

اوپر گذر چکا کہ نیکیوں کی بجا آوری میں انسان جو مشقت اٹھاتا ہے، یہ مشقت اٹھانا بھی انسان کے لئے گناہوں کا کفارہ اور حصولِ جنت کا سبب بنتا ہے، نیکیوں کی بجا آوری کے لئے مشقت اٹھانا صبر کی اعلیٰ ترین قسم ہے، روزہ میں متعدد پہلوؤں سے تمام عبادتوں کی بنسبت مشقتوں پر زیادہ صبر کرنا پڑتا ہے، سخت موسم میں کھانے پینے کو پورے دن چھوڑے رکھنا آسان کام نہیں ہے، اس لئے روزے کو اللہ تعالیٰ

نے جہاں گناہوں کے کفارے کا ایک اہم سبب قرار دیا، جیسا کہ ابھی اوپر گذرا، وہیں اس پر زبردست وعدے بھی فرمائے ہیں۔ چناں چہ ایک حدیث میں رمضان کے پورے مہینے کو صبر کا مہینہ قرار دیا گیا، اور اس پر جنت کا وعدہ کیا گیا۔ چناں چہ حدیث میں ہے:

وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ. (صحيح ابن خزيمة رقم: ۱۷۸۰، شعب الإيمان رقم: ۳٤۵۵)

رمضان کا مہینہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا ثواب جنت ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلىٰ سَبْعَةِ مِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ: إِلَّا الصَّوْمُ؛ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ. (صحيح مسلم ۳٦۳/۱ رقم: ۱٦٤-۱٦۵، الترغيب والترهيب ٤۷/۱)

آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس قانون سے بالاتر ہے، وہ بندے کی طرف سے خاص میرے لئے ایک تحفہ ہے، اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر وثواب دوں گا، میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں: ایک افطار کے وقت، اور دوسری اپنے مالک ومولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرفِ باریابی کے وقت۔

اللہ تعالیٰ نے اس دارالامتحان میں بندے کی کامیابی اور کامرانی کے لئے کیسے عجیب وغریب انتظامات کئے ہیں، اور کس طرح اس کی رحمت بہانے بہانے سے بندے کو دامن عفو میں چھپانے اور اپنے فضل وکرم سے اس کا استقبال کرنے کے لئے انتظار میں رہتی ہے، اب اگر بندہ اپنی بدنصیبی سے اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہے، تو یہ اس کی حرمان نصیبی اور بدقسمتی ہے، مولیٰ کے لطف وکرم میں تو کوئی کمی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ’’اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا؛ بلکہ بندے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں‘‘۔ (آل عمران:۱۱۶)

خوشی ومسرت کے دودن

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی اُستاذِ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قال: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ، وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا، فَقَال: مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوْا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا: يَوْمَ الْاَضْحىٰ وَيَوْمَ الْفِطْرِ. (سنن أبي داؤد / باب صلاة العيدين ١٦١/١ رقم: ١١٣٤)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، تو اہل مدینہ دو تہوار منایا کرتے تھے، اور اُن میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ یہ دو دن جو تم مناتے ہو اِن کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے اِن تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) اُنہوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے اِن دونوں دنوں میں کھیل کود اور خوشیاں منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اَب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اِن دو تہواروں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کردئے ہیں (بس اَب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) عیدالاضحیٰ کا دن اور عیدالفطر کا دن۔

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے ہیں، اور اگلے پچھلے رنج وغم ومصائب کو بھول کر دیگر طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت وخوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے، اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

مذہبِ اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں: ایک عیدالفطر، دوسرے عیدالاضحیٰ۔ بس یہی

مسلمانوں کے اصل مذہبی وملّی تہوار ہیں، ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر بدعات وخرافات ہیں۔

اسلام سے پہلے بھی لوگ دو دن ''نیروز اور مہرجان'' تہوار کے طور پر منایا کرتے تھے، ''نیروز'' سال کا پہلا دن تھا، یہ ''نوروز'' کا معرب ہے، اور ان دونوں دنوں میں ہوا معتدل ہوتی ہے، نہ سرد نہ گرم، دن رات برابر ہوتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے حکماء نے ان دونوں دنوں کو خوشی منانے اور کھیل کود کرنے کے لیے منتخب کیا، اور دوسرے لوگ چوں کہ حکماء کے ساتھ تعظیم کا معاملہ کرتے تھے، اور ان کی کمالِ عقل کے معترف تھے، اس لئے انہوں نے ان دنوں کے حوالے سے ان حکماء کی تجویز کو قبول کیا، اور وہ لوگ ان دونوں دنوں میں جشن مناتے، تفریحات کرتے، گانے بجانے کی مجلسیں جمتیں، خوشی کے اظہار اور کھیل کود میں مست ہوجاتے، جس کا اندازہ ہم اپنے برادرانِ وطن کے تہواروں (ہولی و دیوالی) کے موقعوں پر پیش آنے والے مناظر سے بخوبی کرسکتے ہیں۔ (بذل المجھود/ باب صلاۃ العیدین ۶/۱۵۹، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح/ باب صلاۃ العیدین، الفصل الثانی ۳/۴۹۰ حدیث: ۱۴۳۹)

عید کی وجہ تسمیہ

علماء کرام نے عید کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کئی باتیں کہی ہیں:

(۱) ''عید'' اصل میں ''عوذ'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اِس کو عید کہنا ایک طرح کی نیک فالی ہے، اور گویا اس تمنا کا اظہار ہے کہ یہ مسرت وخوشی کا دن بار بار آئے۔

(۲) دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عید ہر سال لوٹ کر آتی ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ہر سال مغفرت اور رحمت کے ساتھ لوٹتا ہے اور متوجہ ہوتا ہے، گویا اگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت بندے کو حاصل نہ ہوئی تو روزے اور عید کا مقصد حاصل نہیں ہوا۔

(۴) چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عید کے دن آدمی غم سے خوشی کی جانب عود کرتا ہے۔

(۵) پانچویں وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ہر شخص عید کے روز اپنی حیثیت کی طرف رجوع کرتا ہے، جو ان کے لباسوں اور کھانے پینے کی چیزوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ (شرح ابی داوٗد للعینیؒ/ باب صلاۃ العیدین ۴/۴۸۶، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح/ الکشف والبیان ۳/۴۷، المائدہ آیت: ۱۱۴)

دوگانہ نمازِ عید کی حکمت

اِسلامی شریعت نے انسانی فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں اپنے متبعین کے لیے سال میں دو دن عید کے عنوان سے خوشی ومسرت کے لیے تجویز کیے ہیں وہیں ان دونوں دنوں میں دوگانہ نمازِ عید واجب کر کے یہ بات بتلائی ہے کہ مسلمانوں کی مسرت اور شادمانی کے اظہار کا طریقہ غیر مسلموں سے مختلف ہونا چاہئیے، اور وہ یہ کہ مؤمن بندے کی پیشانی اپنے خالق ومالک کے سامنے سجدہ ریز ہوجائے، وہ اس بندہ نواز کے حضور اپنی بندگی کا اظہار کر کے اس کی خوشنودی کا مستحق بن جائے، ظاہر ہے مؤمن بندے کے لیے سب سے بڑی خوشی یہی ہے کہ اُسے دنیا کی فانی لذت حاصل ہو یا نہ ہو مگر حقیقی رب اس سے راضی ہوجائے، قرآنِ کریم میں سورۂ توبہ میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب نعمتوں سے بڑی چیز ہے۔ (بیان القرآن)

اِسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے خوشی کے ان دو دنوں میں نمازِ عید کے ذریعے اظہارِ بندگی کا حکم دے کر خوشی کے جذبات کے ساتھ ساتھ معرفت خداوندی اور شکرِ نعمت جیسے واجبات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے، کہ عید محض مذہبی تہوار نہیں بلکہ انعاماتِ خداوندی کی شکرگزاری کا دن ہے، عید کھیل کود کا دن نہیں بلکہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کا دن ہے، عید خوشیوں میں مست ہونے کا دن نہیں بلکہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پہچان کر رضائے خداوندی کے حصول کا دن ہے، یہی عید کی اصل روح ہے، اور یہ روح درحقیقت اس شخص کو حاصل ہوگی جس نے ماہِ رمضان المبارک میں عبادت، تلاوتِ قرآنِ کریم، صدقات واستغفار کی کثرت، اور معصیات اور منکرات سے پرہیز کے ذریعے اپنے کو ''تقوی'' (جو روزے کا خاص مقصد ہے) کی صفت سے مزین اور آراستہ کیا ہو، ایسے ہی شخص کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل ارشادِ مبارک ہے:

''جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ جل شانہ فرشتوں کے سامنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتے ہیں اور ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں! اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جو اپنی خدمت پوری پوری ادا کردے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی اجرت پوری پوری دے دی جائے، ارشاد ہوتا ہے کہ اے فرشتوں! میرے غلاموں اور باندیوں نے میرے فریضے کو پورا کردیا، پھر

دعا کے ساتھ پکارتے ہوئے (عیدگاہ کی طرف) نکلے ہیں، میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میری بخشش کی قسم! میرے علوشان کی قسم! میرے بلندیٔ مرتبہ کی قسم! میں ان لوگوں کی دعا ضرور قبول کروں گا، پھر لوگوں کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ: جاؤ میں نے تمہارے گناہ معاف کردئے ہیں، اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے، پس وہ لوگ عیدگاہ سے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں''۔ (شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۳۷۱۷، مشکوۃ شریف/ باب لیلۃ القدر، الفصل الثانی ۱/۱۸۲)

بعض حکیمانہ اَقوال

اور اسی حقیقت کو بعض اولیاء کاملین وعلماء ربانیین کے مندرجہ ذیل حکیمانہ اقوال میں بیان کیا گیا ہے:

(۱) لیسَ الْعِیدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجدید، اِنَّما الْعِیدُ لِمَنْ أَمِنَ الْوَعِیدَ :- اصل عید اُس شخص کی نہیں (اور وہ شخص حقیقت میں عید کی مسرتوں کا حق دار نہیں) جو محض نئے نئے کپڑے پہن کر (خوشی کا اظہار کرے) بلکہ اصل عید اُس شخص کی ہے جو (منکرات ومعاصی سے پرہیز کرکے) اللہ تعالیٰ کی وعید سے مامون ومحفوظ ہو جائے۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح/ باب العیدین ۳/۴۷۷)

(۲) لَیسَ الْعِیدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجدیدَ إِنَّما الْعِیدُ لِمَنْ طَاعَاتُهُ تَزِیْدُ :- اصل عید اُس شخص کی نہیں جو محض نئے نئے کپڑے پہن کر (خوشی کا اظہار کرے) بلکہ اصل عید اُس شخص کی ہے جس کی طاعات اور نیکیوں میں اضافہ ہو۔

(۳) لَیسَ الْعِیدُ لِمَنْ تَجَمَّلَ بِاللِّبَاسِ والرُّکُوبِ، اِنَّما العِیدُ لِمَنْ غُفِرَتْ لَهُ الذُّنُوبُ :- اصل عید اُس شخص کی نہیں جو (صرف نئے نئے) لباس اور (سواری پر) سوار ہو کر زینت حاصل کرلے، بلکہ اصل عید اس شخص کی ہے جس کے گناہوں کی مغفرت ہو جائے۔ (لطائف المعارف لابن رجب المجلس الثانی ص ۲۹۹)

(۴) لَیسَ الْعِیدُ لِمَنْ غُرِفَ لهُ إِنَّما العِیدُ لِمَنْ غُفِرَ لَهُ:- اصل عید اس شخص کی نہیں جس کے لئے چمچہ یا ڈوئی (وغیرہ سے مختلف قسم کے) کھانے نکالے جائیں؛ بلکہ حقیقت میں عید اس شخص کی ہے جس کی (سچی توبہ کے ذریعے) مغفرت ہو جائے۔ (معجم السفر لاحمد بن محمد السلفی ص ۳۰۲، مکتبہ شاملہ)

(۵) لَیسَ الْعِیدُ لِمَنْ لَبِسَ الْمَلابِسَ الْفَاخِرَةَ إِنَّما الْعِیدُ لِمَنْ أَمِنَ عَذَابَ

اَلْاٰخِــرَۃَ:- اصل عید اُس شخص کی نہیں جو عمدہ عمدہ لباس پہن لے، بلکہ اصل عید اس شخص کی ہے جو آخرت کے عذاب سے مامون ومحفوظ ہو جائے۔ (موسوعۃ خطب المنبر / الخطبۃ الثانیۃ ص: ۳۵۸۵ مکتبہ شاملہ)

(۶) لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ تبخّر بِالْعُوْدِ إِنَّمَا العيدُ للتّائِبِ الَّذِي لا يَعُوْدُ:- اصل عید اُس شخص کی نہیں جو عود (اور قسم قسم کی خوشبو) استعمال کر کے (خوشی کا اظہار کرے) بلکہ اصل عید اس توبہ کرنے والے شخص کی ہے جو یہ پختہ ارادہ اور عہد کرے کہ اب کبھی گناہ نہ کرے گا۔

(۷) لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ تَزَيَّنَ بِزِيْنَةِ الدُّنْيَا إِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ تَزَوَّدَ بِزَادِ التَّقْوىٰ:- درحقیقت عید اُس شخص کی نہیں جو دنیاوی زیب وزینت اختیار کرے؛ بلکہ اصل عید تو اُس کی ہے جو تقویٰ کے توشے کو مہیا کرے۔

(۸) لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ رَكِبَ الْمَطَايَا إِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ تَرَكَ الْخَطَايَا:- عید اُس شخص کی نہیں جو (مختلف قسم کی) سواریوں پر سوار ہو، بلکہ عید اس شخص کی ہے جو گناہوں اور غلطیوں کو چھوڑ دے۔

(۹) لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ بَسَطَ الْبِسَاطَ إِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ جَاوَزَ الصِّرَاطَ:- عید اُس شخص کی نہیں جو فرش اور گدّے بچھالے؛ بلکہ عید تو اُس کی ہے جو اپنے لئے پل صراط سے (بلا خوف وخطر) گزرنے کا انتظام کرلے۔ (مظاہر حق / باب العیدین ۱/۴۹۲)

بعض بزرگانِ دین کے بارے میں منقول ہے کہ اُن سے سوال کیا گیا کہ: ''مَتىٰ عِيْدُكُمْ''؟ تمہاری عید کب ہے؟ جواب دیا: ''يَوْمَ لا نَعْصِيْ اللّٰهَ عَزَّ وجَلَّ'' جس دن ہم سے اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی نہ ہو۔ (موسوعۃ خطب المنبر / الخطبۃ الثانیۃ ص: ۳۵۸۵ مکتبہ شاملہ)

حقیقت یہی ہے کہ عید کی خوشی ومسرت ہمیں اسی وقت حاصل ہوگی جب ہم عید کا چاند دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی، تلاوت قرآن کریم وذکر واذکار، صدقات وخیرات، توبہ واستغفار کا اور آئندہ معصیات ومنکرات سے پرہیز کرنے کا پختہ ارادہ وعہد کریں، بصورتِ دیگر عید کا دن ہمارے لئے مسرت وشادمانی کا نہیں بلکہ رنج وغم اور حسرت ویاس کا دن ہوگا۔

عید کے دن کی سنتیں

عیدین میں چند چیزیں مسنون ہیں: (۱) مسواک کرنا:- مسواک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بڑی اَہم سنت ہے، تمام نمازوں سے پہلے بھی مسواک مسنون ہے، نیز جمعہ کے دن (جس کو مسلمانوں کی ہفتہ واری عید قرار دیا گیا ہے) مسواک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص: ۷۷عن ابن عباسؓ) تو ظاہر ہے کہ عید کی نماز سے پہلے بھی اس کا اہتمام سنت ہوگا۔

(۲) غسل کرنا:- حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عیدین کے دن غسل کرنے کا معمول تھا۔ (سنن ابن ماجہ/ باب ماجاء فی الاغتسال یوم العیدین ص:۹۳)

(۳) خوشبو لگانا:- دینی اجتماع کی رعایت سے جمعہ کے روز (جو ہفتہ واری عید ہے) خوشبو لگانے کا اہتمام پسندیدہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص: ۷۷عن ابن عباسؓ) اور عید کا اجتماع اس سے بڑھ کر ہے؛ لہٰذا عیدین میں بھی خوشبو لگانا مسنون ہے۔

(۴) اپنی حیثیت کے مطابق عمدہ کپڑا پہننا:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار میں ایک ریشمی جبہ فروخت ہوتے ہوئے دیکھا، چناں چہ وہ ریشمی جبہ لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ: یارسول اللہ! آپ اس کو خرید لیں؛ تاکہ عید اور وفود کی آمد کے موقع پر زیب تن فرمایا کریں، لیکن ریشمی ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معذرت کردی، (آپؐ اس وقت تک یا تو ریشم کی حرمت سے واقف نہیں تھے، یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرمت سے پہلے ہی سے اس سے احتیاط فرماتے تھے) اور ارشاد فرمایا: ”إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لاَ خَلاَقَ لَهٗ“۔ (یہ اُن لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں) گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینت کے تعلق سے کوئی بات نہیں فرمائی، نکیر صرف ریشمی کپڑا ہونے کی وجہ سے فرمائی۔ اسی سے امام بخاریؒ نے عیدین میں کپڑوں کے خصوصی اہتمام پر استدلال کیا ہے۔ (بخاری شریف ۱/۱۳۰ حدیث: ۹۴۸، فتح الباری ۳/۲۵۸)

عید کے کپڑوں کا سفید ہونا بہتر ہے، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِلْبَسُوْا الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا أَطْيَبُ وَأَطْهَرُ.

(ترمذی شریف، ابواب الاستیذان / باب ما جاء فی لبس البیاض ۲/۱۰۸ رقم: ۲۸۱٤)

سفید کپڑا پہنو، اس لئے کہ وہ زیادہ پاکیزہ اور زیادہ صاف ستھرا ہوتا ہے۔

لیکن سفید ہونا ضروری نہیں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں سرخ ڈورے کی ایک چادر استعمال فرماتے تھے۔(المعجم الاوسط ۳۱۶/۷ حدیث:۷۶۰۹، مجمع الزوائد/ باب اللباس یوم العید ۴۳۱/۲ حدیث:۳۲۰۸)

(۵) عیدگاہ جانے سے پہلے کھانا، عید الفطر کے دن عیدگاہ کے لیے نکلنے سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے، بہتر بات یہ کہ یہ کھائی جانے والی چیز میٹھی اور طاق عدد میں ہو، اور کھجور ہو تو زیادہ بہتر ہے، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عید الفطر کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں طاق عدد میں کھا کر تشریف لے جاتے تھے۔(بخاری شریف/ باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج ۱۳۰/۱)

اور عید الاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ جو لوگ قربانی کرتے ہوں وہ قربانی کے گوشت سے ہی اپنے کھانے کی ابتداء کریں، چناں چہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن بغیر کھائے نہیں نکلتے تھے، اور عید الاضحیٰ کے دن بغیر نماز پڑھے کھاتے نہیں تھے۔
(ترمذی شریف/ ابواب العیدین ۱۲۰/۱ حدیث:۵۵۱)

عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منھ میں جائے، جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے، اور ظاہر ہے کہ بڑی شخصیت کی ضیافت کو آدمی اہمیت دیتا ہے، اور عید الفطر میں علی الصباح نماز سے پہلے ہی کچھ کھالینا غالباً اس لیے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان المبارک کے پورے مہینے دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا، آج اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کی اجازت ملی اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب ومحتاج بندے کی طرح صبح ہی سے اس کی نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے، بندگی کا یہی مقام ہے:

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں ❖ خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں
(معارف الحدیث ۴۰۶/۳-۴۰۷)

(۶) عیدگاہ کی آمد ورفت، عیدین میں بہتر ہے کہ عیدگاہ پیدل جایا جائے، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ پیدل آتے جاتے تھے۔(سنن ابن ماجہ ص:۹۲)

عیدگاہ آنے جانے میں یہ بھی مستحب ہے کہ ایک راستے سے جائے اور دوسرے راستے سے واپس آئے، چناں چہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔ (بخاری شریف/ باب من خالف الطریق اذا رجع یوم العید ۱/۱۳۴)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے جس راستے سے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستے سے تشریف لاتے تھے۔ علماء کرام نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں:

(۱) اِس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اِجتماعیت وشوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار واعلان ہوتا ہے۔

(۲) عید میں جشن وتفریح کا جو پہلو ہے اس کے لیے یہی زیادہ مناسب ہے کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔

(۳) امیر کی جان کی حفاظت، جب یہ معلوم نہ ہوگا کہ امیر کس راستے سے جائے گا اور کس راستے سے لوٹے گا تو حملہ آور کہاں گھات لگائے گا۔

(۴) بھیڑ سے بچاؤ؛ کیوں کہ لوگ امراء کو دیکھنے کا غیر معمولی جذبہ رکھتے ہیں، پس جس راستے سے امیر عیدگاہ گیا ہے، اگر وہ اسی راستے سے واپس لوٹے گا تو اس کو دیکھنے کے لئے راستے میں ازدحام ہوجائے گا، اِس لیے خصوصا امراء کو آنے جانے میں الگ راستہ اختیار کرنا چاہئے، تاکہ اس کی جان بھی سلامت رہے، اور راستے میں بھیڑ بھی نہ ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ دوسری دو حکمتیں امراء کے ساتھ خاص ہوں گی۔ واللہ اعلم۔ (معارف الحدیث ۳/۴۰۷، تحفۃ الالمعی ۲/۴۱۸)

اور بھی بعض سنتیں فقہاء نے بیان کی ہیں، یہاں اِسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عیدین کے مقصد کو سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی نیز عیدین کے سنن ومستحبات کی بجا آوری کی توفیق عطا فرمائیں، آمین ثم آمین، یارب العالمین۔

گوشۂ سیرتِ نبویؐ:

پیغمبرانہ دعائیں؛ جو قبول ہوئیں

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

صحابہ میں بھی استاذ کا رنگ پایا جاتا تھا

حضرات صحابہؓ کی زندگیوں میں بھی ان کمالات کا عکس ملتا ہے، اس لیے کہ وہ بھی اسی درس گاہ کے پڑھے ہوئے تھے اور اسی معلم انسانیت کے تربیت یافتہ تھے کہ جس سے بہترین استاذ نہ روئے زمین نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتی ہے تو جو استاذ عالی مرتبہ ہوگا تو اس کے شاگروں کا بھی کیا پوچھنا۔ حضرات صحابہؓ کو اللہ نے تربیت کے لیے وہ استاذ عطا فرمایا تھا کہ جو انسانوں میں کسی اور طبقہ کو عطا نہیں کیا گیا، تو استاذ کی جھلک ،صفات اور رنگ صحابہ کرام کی زندگیوں میں بھی دکھائی دیتی تھی وہ مستجاب الدعوات تھے جو مانگتے تھے، اللہ تعالیٰ قبول فرمایا کرتے تھے۔

ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں وہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے لیے یہ دعا کر دیجیے کہ میں جو مانگوں مجھے وہ عطا کر دیا جائے، میں مستجاب الدعات بن جاؤں، میری دعا قبول کی جانے لگیں، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو مستجاب الدعوات بننے کا ایک نسخہ بتایا، اور بہت آسان نسخہ آپ نے بتایا۔ فرمایا: أَطِبْ مَطْعَمَکَ تَکُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَاتِ. (مجمع الزوائد ۱۰/۳۸۳) سعد اپنی روزی کو حلال اور پاکیزہ کرلو مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ پاکیزہ اور حلال روزی سے اگر تمہارا جسم پروش پانے والا ہوگا تو اللہ زبان میں وہ تاثیر پیدا فرمائیں گے کہ جس سے جو کہو گے وہ مانے گا اور تمہاری بات اثر کرے گی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو فریاد کروگے تو باری تعالیٰ تمہاری مراد و تمنا کو رد نہیں فرمائیں گے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی سے حلال اور پاکیزہ روزی کا استعمال فرمایا کرتے تھے؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کے بعد مزید اہتمام فرمایا تو اللہ نے ایسا مستجاب الدعوات ان کو بنا

دیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کے لیے لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی، راستہ چل رہے ہیں لوگ ملتے ہیں کہ حضرت دعا کر دیجئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہیں کھڑے ہو کر دعا کرنے لگتے ہیں اور قبول ہو جاتی ہے اور قبولیت دعا کا یہ نسخہ صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والا کوئی بھی انسان اگر مستجاب الدعوات بننا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہی نسخہ کارگر ہوگا، اپنی روزی کو پاکیزہ اور حلال کر کے دیکھ لیں اللہ غیر معمولی اطمینان عطا فرمائیں گے اور باری تعالیٰ زبان میں بھی تاثیر پیدا فرمائیں گے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ کی زبانوں میں بھی تاثیر پیدا ہوئی، ان کی زندگی میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات وکمالات کی جھلکیاں پیدا ہوئیں۔

جھاڑ پھونک کا اثر

ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت کہیں تشریف لے جارہی تھی، راستہ میں ایک بستی پڑی، تو حضرات صحابہ نے اس بستی میں قیام کرنا چاہا، اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ بستی والے ایک دو وقت کے لیے ہماری میزبانی کرلیں؛ لیکن نئی بستی تھی، غیر مانوس لوگ تھے، انھوں نے ٹھہرنے کی اجازت نہ دی اور میزبانی کا نظم بھی انھوں نے کوئی نہ کیا، ان حضرات نے سوچا کہ یہاں قیام تو مشکل ہے، کہیں اور دیکھیں، ابھی یہ لوگ بستی سے نکلے نہیں تھے کہ اس میں ایک واقعہ پیش آیا کہ اس علاقہ اور قبیلہ کا جو سردار تھا اس کو بچھو نے ڈس لیا، قریب المرگ ہو گیا، جہاں جہاں وہ علاج کرا سکتے تھے انھوں نے کوشش کی؛ لیکن علاج میں کامیابی نہ ملی درد بڑھتا گیا، آخر میں انہی میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ جو لوگ آئے تھے، ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی علاج کرنے والا ہو، ان سے جا کر پوچھ لیا جائے، ان کی ہمت تو ہو نہیں رہی تھی اس لیے کہ انھوں نے میزبانی سے منع کر دیا تھا؛ لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، جان جارہی تھی تو انھوں نے سوچا کہ وہاں بھی کوشش کر کے دیکھ لیں۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے سردار کو صحابہ کرامؓ کے پاس لے کر آئے، اور اپنی تکلیف بیان کی کہ اس کو بچھو نے کاٹ لیا، اس کو درد ہو رہا ہے، کوئی ایسا علاج اس کا کر دیں جو یہ ٹھیک ہو جائے، تو صحابہ کرامؓ نے اپنی شکایت کو وہاں درج کرایا کہ جب ہم یہاں ٹھہرنے کا ارادہ کر رہے تھے تو تم لوگوں نے صاف منع کر دیا اور اب جب مصیبت آن پڑی تو ہمارے پاس آئے ہو، ہم علاج تو کر دیں گے مگر ہمیں بدلے میں کچھ چاہیے، انھوں نے کہا تو ٹھیک ہے، آپ علاج کیجیے ہم دے دیں گے، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے سورۃ

فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کر دیا، دم کرتے ہی وہ ایسا ہو گیا جیسے جانور کی رسی کھول دی ہو، بالکل درست اور صحت مند ہو گیا اب کوئی بھی تکلیف اس کو محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ (بخاری شریف ۲۲۷۶)

یہ تاثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان میں اللہ کے کلام کو پڑھنے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، معاہدہ کے مطابق ان کو معاوضہ بھی دے دیا گیا، اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی زندگیوں میں بھی ان اثرات کی جھلک دکھائی دیتی ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت میں نمایاں تھے۔

نعش کا صحیح وسالم رہنا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ احد کے لیے تشریف لے جارہے ہیں اپنے صاحبزادے حضرت جابر کو پاس بلا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے جابر! میرا خیال یہ ہے کہ کل کی جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے شہید ہونے والا سب سے پہلے تمہارا باپ ہوگا، دیکھو اگر اللہ کی بارگاہ میں میری جان قبول ہوگئی تو میرے اوپر کچھ قرضہ ہے، اس کو ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کا خاص طور پر خیال رکھنا، چنانچہ جس خیال کا اظہار حضرت عبداللہ نے فرمایا، ویسا ہی واقعہ پیش آیا، اور غزوہ احد میں سب سے پہلی شہادت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہوئی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان کی ہدایت کے مطابق قرض ادا کیا اور بہنوں کی بھی پوری نگرانی فرمائی، اپنی شادی ایک عمر رسیدہ خاتون سے، صرف اس وجہ سے کی کہ وہ صحیح طور پر بہنوں کی دیکھ بھال کر سکے، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو شہداء کے ساتھ اجتماعی قبر میں دفنا دیا گیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ۶ ر مہینے کے بعد میرے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ ابا جان کی نعش کو نکال کر الگ قبر میں دفن کیا جائے، حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، فرماتے ہیں کہ میں نے اس قبر کی کھدائی کی اور والد صاحب کی نعش نکالی تو ایک معمولی حصہ کے علاوہ پورا جسم جوں کا توں باقی تھا، جیسے آج ہی انتقال ہوا ہو، اور ۶ مہینے کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد ان کو دوسری قبر میں دفنایا گیا۔ (بخاری شریف حدیث: ۱۳۵۱)

یہ چیزیں بھی عام طور پر زندگیوں میں دکھائی نہیں دیتیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے طبقہ میں اس طرح کے واقعات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے ملتے ہیں۔

عجیب وغریب برکت

ایک صحابی اپنے گھر میں داخل ہوئے دیکھا حالات بہت کمزور ہیں، کھانے پینے کو کچھ نہیں، تو وہ جنگل کی طرف چلے گئے کہ محنت کریں گے کچھ جمع ہو جائے گا تو پھر کھانے پینے کا بندوبست کریں گے، ادھر بیوی چکی کے پاس گئی اور چکی کا جو پاٹ نیچے رکھا ہوا تھا اس کو چکی کے اوپر رکھ دیا، پھر چولہے کے پاس گئیں اس کے پاس کچھ لکڑیاں پڑی ہوئی تھیں، ان کو ویسے ہی چولہے میں ڈال دیا اور آگ لگا دی، پھر اللہ سے دعا کی کہ الٰہ العالمین! صورت حال تیرے سامنے ہے، ہمارے لیے روزی کا بندوبست فرما، وہ خاتون دعا کرکے فارغ نہیں ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ جانے کس راستہ سے ہانڈی میں کھانا اتار دیا اور روٹیاں بھی ان کو میسر آگئیں اور چکی کے اندر آٹا بھی آ گیا، کچھ دیر کے بعد ان کے خاوند گھر میں تشریف لاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کھانا بھی موجود، روٹی بھی موجود اور آٹا بھی موجود، پوچھتے ہیں کیا ماجرا ہے؟ تو ان کی بیوی نے ساری تفصیل بیان کی کہ یہ معاملہ ہوا ہے۔ انھوں نے چکی کا پاٹ اُٹھا کر دیکھا کہ اس میں آٹا ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے اسے پیسا گیا ہو، کھانے سے فراغت کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یا رسول اللہ ایسا واقعہ ہمارے ساتھ پیش آیا ہے، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معلوم کیا کہ وہ چکی کا پاٹ کہاں ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے تو اسے اتار لیا، آپ نے فرمایا:

لو أخذت ما في رحييها ولم تنفصنها لطحنت إلیٰ یوم القیامة.	اگر تم چکی کے اس پاٹ کو نہ اتارتے تو قیامت تک تم اسے چلائے رکھتے تو اس میں سے آٹا ملتا رہتا۔

(مجمع الزوائد ۳۲۵/۱۰)

یہ صفات اور کرامتیں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے اور آپ کی سنتوں تعلیمات اور ہدایات پر عمل کرنے کے صدقہ میں عطا فرمائی تھیں۔

اِسلام میں فحاشی اور بے حیائی کی مذمت

مولانا مفتی محمد رضوان صاحب قاسمی استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

دنیا میں اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب بے حیائیوں پر روک لگانے والا نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم کی پندرہ سورتوں کے ۲۳؍مقامات میں بڑی تاکید کے ساتھ فحاشی کی ممانعت فرمائی ہے، ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ: ''شیطان تم کو برے اور بے حیائی کے کاموں کا حکم کرتا ہے''۔ کہیں فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں کرتا ہے''۔ کہیں فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے برائی اور بے حیائی کو دور کرتا ہے اور بے حیائی اور بے ہودہ کام اور سرکشی سے منع کرتا ہے''۔ کہیں فرمایا کہ: ''شیطان تم سے تنگ دستی کا وعدہ کرتا ہے، اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے بخشش اور مہربانی کا وعدہ کرتا ہے''۔ کہیں فرمایا کہ: ''جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلے گا تو شیطان اس کو بے حیائی اور بری باتیں بتلائے گا''۔ کہیں فرمایا کہ: ''بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے''۔ کہیں فرمایا کہ: ''زنا کے قریب مت جاؤ، بے شک وہ بے حیائی اور بری راہ ہے''۔ کہیں فرمایا کہ: ''جو مؤمنین بدکاری کی شہرت کو پسند کرتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے'' وغیرہ۔ (سورۂ بقرہ: ۱۶۹، ۲۶۸، آل عمران: ۱۳۵، النساء: ۱۵-۱۹-۲۲-۲۵، الانعام: ۱۵۲، الاعراف: ۲۸-۳۲-۸۰، یوسف: ۲۴، النحل: ۹۰، بنی اسرائیل: ۳۲، النور: ۱۹-۲۱، النمل: ۵۴، عنکبوت: ۲۸-۴۵، الاحزاب: ۳۰، شوریٰ: ۳۷، النجم: ۳۲، الطلاق: ۱)

اجنبی مرد عورت کا اختلاط

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے۔ (ترمذی شریف ۱/۱۴۰، مشکوٰۃ شریف ۲/۲۶۹)

دوسری حدیث میں ہے کہ جب اجنبی مرد وعورت ایک جگہ تنہائی میں جمع ہوتے ہیں، تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے، جوان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۲۶)

اسی طرح مردوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ قصداً کسی اجنبیہ عورت پر نظر نہ ڈالیں اور نہ اس سے تعلقات بڑھائیں۔

بلا ارادہ صرف پہلی نظر معاف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ نیچی رکھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے، ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: اے علیؓ! ایک بار بلا ارادہ نظر پڑ جانے کے بعد پھر دوبارہ نہ دیکھو؛ کیوں کہ صرف پہلی نظر جو بلا ارادہ ہو وہ تو معاف ہے، دوسری نظر معاف نہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۶۹)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں فوراً اپنی نگاہ ہٹالوں۔ (الترغیب والترہیب ۳/۲۵، سنن ابی داؤد ۱/۲۹۲)

اعضاء کی بدکاری کی مذمت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آنکھوں کا زنا بدنظری ہے، اور کانوں کا زنا غلط بات سننا ہے، اور زبان کا زنا غلط بات بولنا ہے، اور ہاتھ کا زنا غلط چیز کو پکڑنا ہے، اور پیر کا زنا برے ارادے سے چلنا ہے، اور دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور پھر شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (بخاری شریف ۲/۹۲۳، ۲/۹۷۸، مسلم شریف ۲/۳۳۶)

نامحرم کو دیکھنا موجب لعنت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو قصداً بلا عذر کسی کے ستر کو یا اجنبی عورت کو دیکھنے والا ہو، اور وہ شخص بھی ملعون ہے جس کو بلا عذر دیکھا جائے، مثلاً مرد ستر کھول کر گھومے یا عورت بے پردہ پھرے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۷۰)

بلا ضرورت اجنبی عورت کو چھونے کی مذمت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے سر میں اگر لوہے کی میخ ٹھوک دی جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی غیر عورت کو ہاتھ لگائے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۲۶)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آدمی کا کیچڑ اور مٹی میں لتھڑے ہوئے خنزیر سے لت پت ہوجانا اس سے بہتر ہے کہ اس کا کندھا کسی ایسی عورت کو چھوئے، جو اس کے لئے حرام ہو۔ (الترغیب والترہیب ۳/۲۶)

عورتوں کے لئے پیغمبر علیہ السلام کا فرمان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں

پوچھا کہ عورت کے لئے کونسی چیز بہتر ہے؟ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، تمام صحابہ کرام خاموش رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں میں بھی شریک تھا، مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا، جب گھر آیا تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورتوں کے لئے کونسی چیز بہتر ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے برجستہ جواب دیا کہ عورتوں کے لئے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ مردوں کی نگاہ سے محفوظ رہیں۔ (پردہ کے شرعی احکام ۳۳)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نہ وہ مرد کو دیکھیں اور نہ مرد اُن کو دیکھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جواب کا تذکرہ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش ہوئے اور فرمایا کہ: ”فاطمہ میرا ایک حصہ ہیں“۔ (معارف القرآن ۷/۴۱۶)

زنا کی مذمت

اسلام نے زنا کار پر روک لگانے کی پوری کوشش کی ہے، چناں چہ قرآنِ کریم میں اعلان فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً﴾ [بنی اسرائیل: ۳۲] زنا کے پاس مت جاؤ (یعنی اس کے مبادی اور متعلقات سے بھی بچو) بلاشبہ وہ (خود بھی) بڑی بے حیائی کی بات ہے اور (دوسرے مفاسد کے اعتبار سے بھی) بری راہ ہے (کیوں کہ اس پر عداوتیں اور فتنے اور تضیع نسب مرتب ہوتے ہیں۔ (بیان القرآن ۶/۸۳)

اسی طرح مؤمنین صالحین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے ہیں۔ (سورۂ فرقان ۱۶۸)

نیز احادیث مبارکہ میں زنا سنگین شرعی جرم کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۱/۱۷)

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ زانی زنا کرتے وقت مؤمن ہی نہیں رہتا۔ (ترمذی شریف ۲/۹۰)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر معراج میں زانیوں کے دردناک عذاب کا مشاہدہ کرایا گیا کہ وہ آگ کے تنور میں جل بھن رہے ہیں۔ (مظاہر حق ۴/۴۱، بخاری شریف ۲/۱۰۴۴)

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں شادی شدہ زنا کار پر لعنت کرتے ہیں، اور جہنم میں ایسے لوگوں کی شرم گاہوں سے ایسی سخت بدبو پھیلے گی کہ اہل جہنم بھی اس سے پریشان ہوں گے، اور جہنم میں آگ کے ساتھ ان کی رسوائی بھی ہوتی رہے گی۔ (الترغیب والترہیب ۳/۱۹۰)

نیز اسلام میں زنا کی روک تھام کے لئے انتہائی عبرت ناک سزا مقرر کی گئی ہے، یعنی اگر مجرم کنوارا ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں۔ (سورۂ نور ۲)

اور اگر شادی شدہ ہے تو اسے سنگسار کیا جائے، یہاں تک کہ وہ مردہ ہو جائے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۳۰۹)

اس لئے ہمیں ہر موقع پر فحاشی اور بدکاری سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے، اور اپنی نافرمانی سے بچائے، آمین۔

اجنبی مردوں اور عورتوں کے ساتھ خلوت

عورت کے لئے اجنبی مردوں کے ساتھ اور مردوں کے لئے اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت؛ بدکاری اور فحاشی کا قوی ترین ذریعہ ہے، عفت و پاک دامنی کے تحفظ کے لئے اس خلوت سے بچاؤ بے حد ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

لا یَخلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأۃٍ إلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ. (بخاری شریف ۷۸۷/۲، الترغیب والترھیب ۲۶/۳)

کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، الا یہ کہ اس عورت کا کوئی قریبی رشتہ ارہو۔

دوسری حدیث میں وارد ہے:

مَنْ کَانَ یُؤمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ فَلا یَخْلُوَنَّ بِامْرَأَۃٍ لَیْسَ بَیْنَھَا وَبَیْنَہٗ مَحْرَمٌ. (الترغیب والترھیب ۲۶/۲)

جو شخص اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ ہر گز کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے، جب کہ ان دونوں کے درمیان کوئی محرم نہ ہو۔

اجنبی مرد و عورت جب خلوت میں ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف ۲۲۱/۱)

اسلام نے بڑی صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا ہے کہ عورت کے پاس شوہر کے سوا کوئی مرد خلوت میں نہ رہے، خواہ قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: ”إِیَّاکُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَی النِّسَاءِ“ (عورتوں کے پاس تنہائی میں مت جاؤ) ایک انصاری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیور اور جیٹھ کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ“۔ (بخاری شریف ۷۸۷/۲، الترغیب والترھیب ۲۶/۳، ترمذی شریف ۲۲۰/۱) (دیور تو موت ہے) یعنی شوہر کے قریبی رشتہ داروں سے دیگر مردوں کی بنسبت زیادہ خطرہ ہوتا ہے، اور ان سے بہت محتاط و ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ حافظ بن حجرؒ کے بقول ان رشتے داروں کو دوسرے کے مقابلہ میں خلوت و تنہائی کے مواقع زیادہ ملتے ہیں، اس لئے ان سے دوسروں کی بنسبت شر کی زیادہ توقع ہے، ان کا فتنہ دوسروں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، ان پر اجنبیوں کی طرح روک ٹوک نہیں رہتی ہے، اس لئے ان سے بے حد محتاط رہنا ضروری ہے۔ (فتح الباری ۴۱۵/۹)

ایک حدیث میں فرمایا گیا:

لاَ تَلْجُوْا عَلَی الْمُغِیْبَاتِ؛ فَإِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِيْ مِنْ أَحَدِکُمْ مَجْرَی الدَّمِ. (ترمذی شریف ۲۲۲/۱)

شوہروں کی عدمِ موجودگی میں عورتوں کے پاس مت جایا کرو؛ کیوں کہ شیطان تم میں خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ محارم کی عدمِ موجودگی میں عورتوں کے پاس آمد ورفت فتنے کا پیش خیمہ ہے اور معصیت میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا:

أَلاَ لاَ یَبِیْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ اِمْرَأَۃٍ ثَیِّبٍ، اِلَّا أَنْ یَکُوْنَ نَاکِحًا أَوْ ذَا مَحْرَمٍ. (مسلم شریف / تحریم الخلوۃ بالأجنبیۃ)

سنو! ہرگز کوئی آدمی کسی شادی شدہ عورت کے پاس رات نہ گذارے، الا یہ کہ وہ اس کا شوہر ہو یا محرم ہو۔

اس حدیث میں شادی شدہ عورت کا ذکر ہے، اس لئے کہ عادۃً آمد ورفت ایسی عورت کے پاس زیادہ رہتی ہے جو شادی شدہ ہو، جب شادی شدہ عورت کے لئے یہ حکم ہے تو غیر شادی شدہ عورت کے لئے تو یہ حکم اور زیادہ اہمیت اور اوّلیت کے ساتھ ہوگا، اجنبی مرد وعورت کی خلوت میں ملاقات کی حالت میں شیطان جانبین کی شہوت اُبھارنے کی کوشش کرتا ہے، دونوں کے دلوں میں برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے، اگر اس میں کامیابی نہ ملی تو کسی تیسرے کو بہکاتا ہے؛ تاکہ وہ ان دونوں کے درمیان بدگمان ہو اور اپنی بدگمانی ظاہر کرکے رسوا کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت احتیاط کا عالم یہ تھا کہ ایک بار حالت اعتکاف میں رات کے وقت ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے مسجد آئیں، گفتگو کے بعد واپس جانے لگیں، گھر تک پہنچانے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ اٹھے، اسی درمیان دو انصاری صحابہ گذرے اور آپ کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیکھ کر اور جلدی چلنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اطمینان سے جاؤ یہ میرے ساتھ صفیہ ہیں، اس پر ان دونوں صحابہ نے کہا سبحان اللہ! یا رسول اللہ کیا آپ کے متعلق بھی بدگمانی ہوسکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الشَّیْطَانَ یَبْلُغُ مِنَ الإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّيْ خَشِیْتُ أَنْ یَّقْذِفَ فِيْ قُلُوْبِکُمَا شَیْئًا. (بخاری شریف ۲۷۲/۱-۲۷۳-۴۳۷)

شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ وہ کہیں تم دونوں کے دلوں میں بری بات نہ ڈال دے۔ (جاری)

دیدۂ عبرت

مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب قاسمی اُستاذِ اَدب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

ویسے تو اللہ تعالیٰ شانہ کی عام عادت یہ ہے کہ وہ شہ زوروں، بے جا جرأت وجسارت کرنے والے غلط کاروں کی فوری طور پر گرفت نہیں کرتا؛ بلکہ وہ انہیں مزید ڈھیل دے کر شتر بے مہار کر دیتا ہے؛ تاکہ انہیں سوچنے، سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع مل جائے، جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے، تبھی خدا کی طرف سے گرفت ہوا کرتی ہے، انتقام میں عجلت وجلدی یہ تو عجلت کے خمیر سے تیار کئے گئے انسان کی عادت اور اُس کا مزاج ہے ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ خالق ومخلوق کے درمیان انتقام کے تعلق سے پائے جانے والے اس تفاوت وفرق کو شیخ سعدی شیرازیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق منظوم کتاب ''بوستاں'' میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

اگر با پدر جنگ جوید کسے ❖ پدر بیگماں خشم گیرد بسے

اگر کوئی اپنے والد سے جنگ کرے گا تو یقیناً اُس کے والد بہت غضب ناک ہوں گے

اگر خویش راضی نباشد زخویش ❖ چو بیگا نگانش براند زپیش

اگر رشتہ دار، رشتہ دار سے ناراض ہوگا تو وہ بھی پرائے کی طرح سامنے سے گذر جائے گا

وگر بر رفیقاں نباشد شفیق ❖ بفرسنگ بگریزد از وے رفیق

اگر دوست، دوست پر مہربان نہ ہو، تو دوست، دوست سے کوسوں دور بھاگتا ہے

وگر ترکِ خدمت کند لشکری ❖ شود شاہِ لشکر کش از وے بری

اگر فوجی خدمت کرنا چھوڑ دے، تو سپہ سالار بادشاہ اس سے لاتعلق ہو جائے گا

ولیکن خداوندِ بالا و پست ❖ بعصیاں درِ رزق بر کس نہ بست

لیکن زمین وآسمان کے مالک نے گناہ کی وجہ سے کسی پر اپنی روزی کا دروازہ بند نہیں کیا

دو کونش یکے قطرہ در بحرِ علم ❖ گنہ بیند و پردہ پوشد بحلم

دونوں جہاں اس کے علم کے سمندر میں ایک قطرہ ہیں، گناہ ہوتے دیکھتا ہے، پھر بھی بردباری سے پردہ پوشی کرتا ہے

ادیم زمیں سفرۂ عامِ اوست ❖ چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست
روئے زمین اللہ کا دسترخوانِ عام ہے، اس عام دسترخوان پر دوست و دشمن سب برابر ہیں
پسِ پردہ بیند عملہائے بد ❖ ہمو پردہ پوشد بآلائے خود
برے کاموں کو پسِ پردہ دیکھتا ہے؛ لیکن تمام کو اپنی عنایات سے چھپاتا ہے
نہ گردن کشاں را بگیرد بفور ❖ نہ عذر آوراں را براند بجور
نہ متکبرین کی فوری گرفت کرتا ہے، نہ تائبین کو زیادتی کے بسبب دھتکارتا ہے
(بوستانِ سعدی ص:۲)

من جانب اللہ فوری انتقام

لیکن کبھی کبھار اس عام عادت سے ہٹ کر اور اس کے برخلاف زور آوروں، سرکشوں اور زبان درازوں کی فوری گرفت بھی کر لیتے ہیں؛ تاکہ یہ خود اپنے انجام کو پہنچیں اور دنیا کے دوسرے لوگ ان سے عبرت، موعظت اور نصیحت حاصل کریں۔ ذیل میں ایسے ہی کچھ واقعات بطور مشت از خروارے کتاب وصفحات کے حوالہ سے بقیدِ تحریر لائے جا رہے ہیں۔

آنکھ بے نور ہو گئی

کسی متکبر ظالم کے روبرو اللہ جل شانہ کا مبارک ارشاد ﴿قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ﴾ تلاوت کیا گیا، جس کا ترجمہ ہے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارا پانی زمین کی تہہ میں چلا جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے بہتا ہوا پانی لائے گا۔ پڑھا گیا تو وہ کہنے لگا: ”یَأْتِي بِهِ الْفُئُوسُ وَالْمَعَاوِلُ“ (کدال اور پھاوڑے لائیں گے) اتنا کہنا تھا کہ ”فَذَهَبَ مَاءُ عَيْنَيْهِ وَعَمِيَ“ (اس کی آنکھ کا پانی ختم ہو گیا اور وہ شخص اندھا ہو گیا) اور اللہ جل شانہ نے یہ بتلا دیا کہ جب تم اپنی آنکھ کا پانی واپس نہیں لا سکتے تو زمین کی تہہ کا پانی کیا واپس لا سکو گے؟ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجُرْأَةِ عَلَى اللّٰهِ وَآيَاتِهِ۔ (جلالین شریف ص:۴۶۱)

بھیجا (دماغ) نکل آیا

ایک شخص کے روبرو اللہ اور رسول کا تذکرہ کیا گیا، تو وہ ازراہِ استہزاء و مذاق کہنے لگا: ”مَنِ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ“ (یہ اللہ اور رسول کون ہیں؟) ”أَمِنْ ذَهَبٍ، أَمْ مِنْ فِضَّةٍ، أَمْ مِنْ نُحَاسٍ“ (وہ سونے یا

چاندی یا پھر پیتل وغیرہ کے بنے ہیں) اتنا کہنا تھا کہ اللہ کا غضب جوش میں آیا اور اس کے سر پر آسمان سے بجلی گری اور اس کا بھیجا (دماغ) نکل کر باہر آ گیا۔ چناں چہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ خداوند قدوس کا یہ فرمان ﴿يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَآءُ﴾ (وہ اللہ بجلیاں بھیج کر جس کو چاہتا ہے کیفر کردار تک پہنچا دیتا ہے) اسی شخص یا ایسے ہی کسی اور شخص کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ (جلالین شریف ص:۲۰۱)

تاحیات ہاتھ منہ تک نہ اُٹھ سکا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتا دیکھ کر فرمایا: "کُلْ بِیَمِیْنِکَ" (دائیں ہاتھ سے کھاؤ) اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ناگوار خاطر گذرا، اور اس نے ازراہ تکبر کہہ دیا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بددعا دی اور فرمایا: "لَا اسْتَطَعْتَ" خدا کرے کہ تو دائیں ہاتھ سے کھا نہ سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا بھلا کب رائیگاں اور بے اثر جاتی، روایتوں میں آتا ہے کہ اس کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہوگئی کہ اگر کبھی اپنے دائیں ہاتھ کو منہ تک لے جانا بھی چاہتا تب بھی نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ العیاذ باللہ۔ (مسلم شریف، کتاب الاشربہ/ باب آداب الطعام رقم الحدیث:۲۰۲۱)

دماغ پھٹ گیا

جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاہُ" (جس کا میں سرپرست ہوں حضرت علیؓ اس کے سرپرست ہیں) کی اطلاع شدہ شدہ جب نضر بن حارث تک پہنچی تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر کہنے لگا کہ: اے محمد! تم نے اللہ کی وحدانیت کا ہمیں حکم دیا تو ہم مان گئے، پھر تم نے ہمیں حج کا پابند بنایا تو ہم نے اس پر لبیک کہہ دیا، تم نے روزہ رکھنے کا حکم دیا تو ہم نے سرِ تسلیم خم کر دیا، اب تم نے ایک نیا شوشہ چھوڑ کر اپنے چچازاد بھائی کو ہم سب پر فوقیت و برتری دے دی، یہ بتلاؤ کہ حضرت علی کی یہ فضیلت من جانب اللہ ہے یا اپنی تمہاری خانہ زاد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! یہ سب من جانب اللہ ہے۔ نضر بن حارث نے طیش میں آکر کہہ دیا: "اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ مَا يَقُوْلُ حَقًّا فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ" (اے اللہ! اگر محمد کا کہا سچ ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا دے) کہتے ہیں کہ ابھی وہ سواری تک بھی یہ کہہ کر نہ پہنچا تھا کہ ایک پتھر اس کے سر پر اس

طرح لگا کہ دماغ پاخانہ کی پچھلی راہ سے باہر آگیا۔ (حاشیۃ الصاوی/سورۃ المعارج ۶/۱۶۸)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو احتیاط فی الکلام کی تاکید

ایک موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے باتوں باتوں میں ہی اشارۃً اُم المؤمنین سیدتنا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پستہ قد و کوتاہ قامت کہہ دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ناراض و برہم ہوگئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ازراہِ عتاب فرمایا: ''لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْ'' (اے عائشہ! تم نے اتنی کڑوی بات کہہ دی ہے کہ اگر اس بات کو سمندر رِنا پیدا کنار میں ملا دیا جائے تو اس کی کڑواہٹ سے سارے سمندر کا پانی کڑوا ہو جائے۔ (ابوداؤد شریف/ کتاب الغیبہ)

چھوٹی سی زبان کے بڑے بڑے جرائم

اِسی لئے اہل عرب کا مشہور مقولہ ہے: ''اَللِّسَانُ جِرْمُهٗ صَغِيْرٌ وَلٰكِنْ جُرْمُهٗ كَبِيْرٌ'' (زبان کا جِرم و جسم تو چھوٹا سا ہے؛ لیکن اس سے جنم لینے والے جرائم نہایت سنگین و خطرناک ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ انسان کو کان دو ملے ہیں؛ لیکن زبان ایک، یہ قدرت کا اشارہ ہے کہ انسان بولے کم، سنے زیادہ۔ نیز زبان منہ کے اندر ہے، اس پر تین طرف سے دانتوں کا حصار و گھیراؤ ہے، مزید براں ہونٹ ہیں، یہ سب فیاضِ ازل کا واضح اشارہ ہے کہ زبان کو بوقت ضرورتِ شدیدہ ہی کھولا جائے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

کارِ خیر کی انجام دہی کو اپنا کمال نہیں؛ بلکہ خالص توفیقِ الٰہی تصور کرنا چاہئے، اسی طرح ہر کسی خوبی و کمال کو اللہ کی عطا، بخشش اور فضل خاص سمجھنا چاہئے، اس کا انتساب اپنی طرف کرنے سے یا اس پر اترانے اور ناز کرنے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے، ایک مرتبہ سید التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ نے باتوں باتوں میں کہہ دیا: ''مَا فَاتَنِي الْأَذَانُ فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً'' (چالیس کا عرصہ بیت چکا ہے کہ جب مسجد نبوی میں اذان ہوتی ہے تو میں خود کو مسجد نبوی میں موجود پاتا ہوں) اتنا زبان سے نکلنا تھا کہ دیکھا لوگ نماز پڑھ کر باہر نکل رہے ہیں، اسی طرح قتادہ نامی ایک شخص نے کہہ دیا: ''مَا نَسِيْتُ شَيْئًا قَطُّ'' (مجھے بالکل نسیان و ذہول نہیں ہوتا) اتنا کہا اور اٹھنا چاہا، خادم کو

بلایا کہ جوتا لائے، خادم نے دست بستہ عرض کیا کہ جناب! جوتا تو پیر ہی میں ہے۔ (المستطرف فی کل فن مستظرف/ باب ماجاء فی کبوات الجیاد وہفوات الامجادص:۱۴۶)

یہ خداوند قدوس کی جانب سے فوری تنبیہ تھی کہ اگر کسی کی چالیس سال کے طویل عرصہ سے مسجد میں اس طرح حاضری ہورہی ہے کہ وہ بوقتِ اذان مسجد میں رہتا ہے یا کسی کا قوتِ حافظہ اتنا قوی ومضبوط ہے کہ چیزیں یاد ہی رہتیں ہیں، بھولتی نہیں، تو اس میں بندے کا کوئی کمال نہیں؛ بلکہ یہ ہماری عطاء توفیق اور فضل خاص کی دین اور صدقہ ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ.

باغ والوں کا حشر

یمن کے شہر صنعاء میں ایک باغ تھا، جس میں پھلوں کے درخت سمیت زمین پر کھیتی بھی ہوا کرتی تھی، باغ کا مالک ایک نیک وغریب نواز شخص تھا، اس شخص کا معمول تھا کہ جب پھل توڑنے یا کھیتی کاٹنے کا دن آتا تو وہ غرباء ومساکین کو باخبر کرتا؛ تاکہ وہ گرے پڑے یا چھوٹے چھٹے ہوئے غلہ کے دانوں کو یا درخت کے پھلوں کو حاصل کرکے اپنی ضرورت کی تکمیل کرلیں؛ لیکن جب اس شخص کا انتقال ہوگیا تو اس کے وارث وجانشین بیٹوں-جن کی تعداد تین تھی- کی نیت خراب ہوگئی اور وہ کہنے لگے کہ ہمارے لئے اپنے والد کی روش کو برقرار رکھ پانا مشکل ہے؛ کیوں کہ ہمارے آل واولاد بہت زیادہ ہیں، چناں چہ انہوں نے فقراء کو بن بتائے پھلوں کو توڑنے اور کھیتی کو کاٹنے کا ارادہ وپلان بنالیا۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ پہلے ہی آگ کا ایک بگولہ- ایک قول کے مطابق - آیا اور سب کچھ جل کر خاکستر ہوگیا، بعد میں انہیں اپنی بدنیتی اور بخالت پر افسوس ہوا؛ لیکن ''اب پچھتاوے کیا ہووت ہے، جب چڑیا چگ گئی کھیت''۔ (حاشیۃ الصاوی ۱۵۱/۶)

ابرہہ اور اس کی فوج کی تباہی

ابرہہ یمن کا امیر وگورنر تھا، وہ جب دیکھتا کہ لوگ موسم حج میں بیت اللہ کا حج کرنے کے لئے مکہ جاتے ہیں تو اس تعلق سے اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھتی، چناں چہ اس نے صنعاء- جو یمن کا دارالحکومت ہے- میں ایک خوبصورت کنیسہ (گرجا گھر) بنوایا، اور تہیا کرلیا کہ وہ لوگوں کو خانہ کعبہ کا حج کرنے کے بجائے اس کنیسہ کا حج کرنے پر آمادہ یا مجبور کرے گا۔ایک عربی شخص-جس کا نام مالک بن کنانہ تھا-کو اس کے اس ناپاک عزائم کی اطلاع ملی، تو انہیں بڑا ناگوار گذرا، اور انہوں نے ایک رات جاکر اس کے کنیسے میں غلاظت ونجاست کردی، ابرہہ کو جب اس ناشائستہ حرکت اور ناخوش گوار واقعہ کی اطلاع ملی، تو

وہ چراغ پا ہو گیا، اور اس نے بیت اللہ کو ڈھانے کا ناپاک منصوبہ بنالیا، اور اس ارادہ سے اپنے لاؤ لشکر کے ہمراہ ہاتھی پر سوار ہو کر بیت اللہ تک پہنچا؛ لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہناتا، اللہ جل شانہ نے اپنے گھر کی حمایت و حفاظت کی، اور ابرہہ اور اس کے چیلوں کو کیفر کردار تک - وہ بھی بلبل جیسے معمولی پرندے اور اس کے چونچ میں سمانے والے نہایت معمولی کنکر کے ذریعہ - پہنچا دیا۔ (حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین ۶/۳۳۱)

قارون تا قیامت زمین میں دھنستا رہے گا

قارون جو کہ نہ صرف نبی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تعلق رکھتا تھا؛ بلکہ بعض مفسرین ومحدثین فرماتے ہیں کہ وہ ان کا چچازاد یا خالہ زاد بھائی بھی تھا، مالدار اتنا تھا کہ اس کے خزانے کو نہیں؛ بلکہ اس کے خزانوں کی کنجیوں کو طاقتور لوگوں کی ایک جماعت مل کر اٹھایا کرتی تھی، تصور کیجئے کہ خزانہ کتنا رہا ہوگا؟ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہہ دیا کہ اللہ کے عطا کردہ مال کو اس کی راہ میں خرچ کرو، تو اس نے ازراہِ گھمنڈ وتکبر جواب دیا کہ مجھے یہ مال اپنے علم وہنر سے ملا ہے، نہ کہ کسی کے دینے اور عطا کرنے سے، اللہ جل شانہ کو اس کا یہ متکبرانہ جملہ اتنا ناپسند آیا کہ اس کو اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ تا قیامت زمین میں دھنستا چلا جائے گا اور ہر دن قدم آدم کے برابر زمین میں دھنسے گا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْجُرْأَۃِ عَلَی اللّٰہِ وَعَلیٰ رَسُوْلِہٖ۔ (حاشیۃ الصاوی/سورۂ قصص ۴/۳۰۳)

اللہ اور رسول کی بات کے سامنے بلاتردد سر تسلیم خم کر دینا چاہئے

اسی لئے ایک صاحب دین وایمان کو اللہ اور اس کے رسول کے ہر قول وفرمان کو بلا چون وچرا ماننا چاہئے، اس قول وفرمان کو ماننے کے لئے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے اتنی بات بس اور کافی ہونی چاہئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب ہے، جرأت وجسارت کا اظہار نہ مؤمن کے شایانِ شان ہے، نہ ہی جرأت وجسارت کا انجام اچھا ہے۔ دین کی بات میں عقلی گھوڑے نہ دوڑانے چاہئے؛ بلکہ اس کے آگے بلاتردد جھک جانا چاہئے، شیخ سعدی شیرازیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ❖ کہ جاہا سپر باید انداختن

(بوستانِ سعدیؒ ص: ۵)

ہر جگہ عقلی سواری نہیں دوڑانی چاہئے؛ کیوں کہ مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں ہتھیار ڈال دینا چاہئے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضیٰ، آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

❍❖❍

کتاب المسائل: مفتی محمد سلمان منصور پوری

زمان ومکان کی طرف نسبت کر کے طلاق دینا

کل آئندہ کی طرف نسبت کر کے طلاق دینا

اگر کسی نے آئندہ کل کی طرف نسبت کر کے بیوی کو اِس طرح طلاق دی کہ ’’تجھے کل طلاق ہے‘‘ تو اگلے دن صبح صادق ہوتے ہی بیوی پر طلاق پڑ جائے گی؛ اِس لئے کہ صبح صادق ہوتے ہی دن شروع ہوجاتا ہے؛ لہٰذا جب آئندہ دن کا پہلا جزو شروع ہوگا تو اس پر معلق طلاق خود بخود واقع ہوجائے گی، ہاں اگر اُس نے یہ کہا کہ ’’تجھے کل دن میں طلاق‘‘ اور اس سے دن کے آخری یا درمیانی وقت کی نیت کی، تو اس کی نیت کا اعتبار کر کے اُسی وقت وقوعِ طلاق کا حکم لگایا جائے گا۔

أنت طالق غدًا أو في غد يقع عند طلوع الصبح، وصح في الثانية نية العصر أي اٰخر النهار قضاءً وصدق فيهما ديانةً. (الدر المختار) عند طلوع الصبح أي الفجر الصادق لا الكاذب، ووجه الوقوع عند طلوعه أنه وصفها بالطلاق في جميع الغد فيتعين الجزء الأول لعدم المزاحم. (الدر المختار مع الشامي ٤/٤٨١ زكريا)

تجھے مکہ میں طلاق

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ ’’تجھے مکہ میں طلاق‘‘ یا ’’فلاں گھر میں طلاق‘‘، تو فوراً طلاق واقع ہوجائے گی، اور جگہ کے ذکر کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ (مستفاد: مسائل بہشتی زیور ١/٥١٦ کراچی)

وأنت طالق بمكة أو في مكة أو في الدار يقع للحال (الدر المختار) لأن الطلاق الذي هو رفع القيد الشرعي معدوم في الحال، وقد جعل الشارع لمن أراده أن يعلق وجوده بوجود أمر معدوم يوجد الطلاق عند وجوده، والأفعال والزمان هما الصالحان لذٰلک؛ لأن كلاهما معدوم في الحال ثم يوجد، بخلاف المكان الذي هو عين ثابتة فإنه لا يتصور الإناطة به. (الدر المختار مع الشامي ٤/٤٧٧-٤٧٨ زكريا)

وقت کی طرف طلاق منسوب کرنے میں ایک ضابطہ

اگر بیوی سے کہا کہ تجھے ”آج اور کل طلاق ہے“ تو ایک طلاق واقع ہوگی، اور اگر کہا کہ: ”تجھے کل اور آج طلاق ہے“ تو ایک طلاق فوراً اور ایک کل واقع ہوگی۔

والأصل أنه متى أضاف الطلاق لوقتين كائن ومستقبل بحرف عطف فإن بدأ بالكائن اتحد، أو بالمستقبل تعدد (الدر المختار) لأنها إذا طلقت اليوم تكون طالقًا في غدٍ، فلا حاجة إلى التعدد. (الدر المختار مع الشامي ٤٨٣/٤ زكريا)

کہا: ”تجھے طلاق ہے اِن شاء اللہ“

اگر کسی نے بیوی سے کہا کہ ”تجھے طلاق ہے انشاء اللہ“، یا ”اگر اللہ نے چاہا تو تجھے طلاق“، یا انشاء اللہ کا لفظ طلاق سے پہلے متصلاً استعمال کیا، مثلاً کہا کہ: ”انشاء اللہ تجھے طلاق“، یا ”اگر اللہ نے چاہا تو تجھے طلاق“۔ تو اس جملہ سے کوئی طلاق نہیں پڑے گی بشرطیکہ انشاء اللہ طلاق سے متصل کرکے کہے، اگر انشاء اللہ اور طلاق میں فصل ہوگیا اور تھوڑی دیر بعد انشاء اللہ کہا، تو اب طلاق پڑ جائے گی، بعد میں انشاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

إذا قال لامرأته: أنت طالق إن شاء اللّٰه متصلاً به، لم يقع الطلاق، ولو قال إن شاء اللّٰه فأنت طالق، لا تطلق في قولهم جميعًا. (الفتاویٰ الهندية ٤٥٦/١)

كذا في الهداية وفيه: لقوله عليه السلام: من حلف بطلاق، وقال: إن شاء اللّٰه متصلاً به لا حنث عليه. (الهداية ٤٠١/٢)

اِنشاء اللہ کہنے سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا

اگر طلاق کا لفظ کہنے کے بعد انشاء اللہ کہنے سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا، گویا کہ وہ انشاء اللہ کہنا چاہتا تھا؛ لیکن نہیں کہہ پایا، تو اُس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوجائے گی۔

بخلاف ما إذا مات الزوج بعد قوله: أنت طالق قبل قوله: إن شاء اللّٰه، وهو يريد الاستثناء حيث يقع الطلاق. (الفتاویٰ الهندية ٤٥٤/١ زكريا)

وإنمـا يعلـم ذٰلک إذا قـال قبـل الإيقـاع إني أطلق امرأتي واستثنى، كذا في الكفاية. (الفتاویٰ الهندية ٤٥٤/١ زكريا)

کہا: ''تجھے طلاق ہے ماشاءاللہ''

اگر کسی نے بیوی سے کہا کہ ''تجھے طلاق ہے ماشاءاللہ''، یا ''تجھے طلاق ہے الا ماشاءاللہ''، تو اِن دونوں جملوں سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ولو قال أنت طالق ما شاء اللّٰه كان، وكذا أنت طالق إلا ما شاء اللّٰه لا يقع شيء، كذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية ٤٥٤/١ زكريا)

کہا ''تجھے طلاق ہے اگر اللہ نے نہ چاہا''

اگر بیوی سے یوں کہا کہ ''تجھے طلاق ہے اگر اللہ نے نہ چاہا''، تو اس سے بھی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ولو قال أنت طالق إن لم يشاء اللّٰه لم يقع. (الفتاویٰ الهندية ٤٥٤/١ زكريا)

طلاق لکھ کر زبان سے انشاءاللہ کہا

ایک شخص نے کاغذ پر طلاق لکھ کر زبان سے فوراً انشاءاللہ کہا یا زبان سے طلاق کا لفظ بول کر فوراً کاغذ پر انشاءاللہ لکھا، تو اُس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (مستفاد: مسائل بہشتی زیور ۵۱۴/۱ کراچی)

وإذا كتب الطلاق واستثنى بلسانه، أو طلق بلسانه واستثنى بالكتابة هل يصح؟ لا رواية لهٰذه المسئلة، وينبغي أن يصح، كذا في الظهيرية. (الفتاویٰ الهندية ٣٧٨/١ زكريا)

ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد

ایک عظیم اصلاحی تحریک کا نام ہے

صرف ایک ممبر بنا کر آپ بھی اس تحریک میں شامل ہوجائیے۔

خصوصی رپورٹ:

اجلاس دستار بندی وختم بخاری شریف

رپورٹ: مولانا مفتی محمد توحید پرتاب گڈھی اُستاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا اجلاسِ دستار بندی ۲۳/رجب المرجب ۱۴۳۷ھ مطابق یکم مئی ۲۰۱۶ء بروز اتوار بعد نماز مغرب متصلاً جامعہ کے صحن میں منعقد ہوا، اِس روح پرور ماحول میں اکابر کے دست مبارک سے تکمیل افتاء سے فارغ ہونے والے ۳۳/مفتیان، تکمیل ادب سے فارغ ہونے والے ۲۱/ادباء، دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہونے والے ۱۲۹/فضلاء، تجوید سے فارغ ہونے والے ۱۹/قراء اور حفظ سے فارغ ہونے والے ۴۷/حفاظ، کل ۲۴۹/فارغین کے سروں پر دستار باندھی گئی۔ اجلاس کا آغاز جناب قاری محمد حماد صاحب استاذ تجوید وقرأت جامعہ کی تلاوت سے ہوا، اورشانِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں ندرانہ عقیدت قاری محمد اعظم صاحب نے پیش کیا، جب کہ نظامت کے فرائض راقم الحروف محمد توحید نے انجام دئے۔

جامعہ کے روحِ رواں حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ابھی جن طلبہ کے سروں پر دستار باندھی جائے گی، درحقیقت اُن طلبہ کے کاندھوں پر مدرسہ شاہی ایک اہم ذمہ داری ڈال رہا ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد اس طرح کار نبوت اور تبلیغ دین میں لگیں کہ آپ کے وجود سے لوگوں کو خوشی اور آپ کے نہ رہنے سے انہیں غم ہو۔

حضرت مہتمم صاحب نے بطور خاص طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کامیابی وکامرانی چاہتے ہیں تو ۴/باتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں: (۱) آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اس پر ضرور عمل پیرا ہوں؛ کیوں کہ علم عمل کے بغیر کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے، قیامت کے دن اس علم کے بارے میں جو آپ نے پڑھا ہے سوال ہوگا کہ اس پر کتنا عمل کیا، اگر آپ دوسروں کو نصیحت کریں گے اور اپنے کو بھولے رہیں گے تو یہ نقصان کا سودا ہوگا۔ (۲) آپ یہاں سے اکابر دیوبند اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا علم لے کر جارہے ہیں، اس لئے آپ ہمیشہ اسلام کے خلاف چلنے والی بادِ سموم کا مقابلہ کرتے رہئے گا؛ اس لئے کہ اگر غلط افکار ونظریات سے لوگوں کو نہ بچایا گیا تو دینِ خالص باقی نہیں رہے گا۔ (۳) آپ

کا یہ بھی فرض ہے کہ جو آپ نے دین سیکھا ہے، وہ اپنے تک محدود نہ رکھیں؛ بلکہ دوسروں تک پہنچانے کی ضرور کوشش کریں، خواہ وہ وعظ وخطابت کے ذریعہ ہو، یا تدریس وتعلیم کے ذریعہ، یا تصنیف وتالیف کے ذریعہ۔(۴) یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے بڑی مشقتوں سے پہنچا ہے، اس لئے عہد کریں کہ ایک ایک سنت پر عمل کریں گے اور اس دین سے محبت کریں گے، اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیں گے۔

اس کے بعد جامعہ کے اُستاذ حدیث اور مفتی حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ کا خطاب ہوا، مفتی صاحب نے فرمایا کہ دین کا ہر مسلمان محتاج ہے، دین کے بغیر مسلمان ایک قدم نہیں چل سکتا، اور دین سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’**إنما بعثت معلمًا**‘‘ میں استاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی، پھر ان سے یہ علم تابعین نے حاصل کیا، اور پھر نسلاً بعد نسل یہ سارے علوم منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں۔اور ہمارے اکابر نے انہیں علوم کی اشاعت وبقاء کے لئے مدارس کا نظام قائم فرمایا ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے مدارس کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ان مدارس کا رشتہ اصحاب صفہ سے جا کر ملتا ہے۔اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی بھی ہے، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے اخلاص ومحنت کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے فضل سے سارے عالم میں علومِ نبوت کے چراغ روشن کردئے۔ یہ مدرسہ شاہی درحقیقت دارالعلوم کا جزء ہے، ایک وقت ایسا گذرا کہ وہاں کی شوریٰ ہی یہاں کے بارے میں فیصلے کیا کرتی تھی، وہاں جو قانون بنتے تھے وہی یہاں نافذ ہوتے تھے، اس جامعہ کی بنیاد حضرت نانوتویؒ نے براہِ راست اپنے دست مبارک سے رکھی اور پہلے دن سے یہاں دورۂ حدیث شریف کی تعلیم کا آغاز فرمایا، اور اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کو یہاں کا شیخ الحدیث بنایا۔

موصوف نے جامعہ کی مختصر اور جامع تاریخ پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ سابق مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ہونے والی ترقیات کا ذکر کیا، اور موجودہ مہتمم حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب کی خدمات کو سراہا، جن کے دور اہتمام میں مدرسہ کو بے مثال تعمیری اور تعلیمی ترقی اور انتظامی استحکام نصیب ہوا۔ الحمد للہ علی ذٰلک۔ اخیر میں مفتی صاحب نے طلبہ سے فرمایا کہ آپ اپنی حقیقت کو پہچانیں اور جہاں بھی رہیں مدارس سے جڑے رہیں۔ بعد ازاں جامعہ کے دو طالب علم محمد عمران

اور عبدالباسط نے جامعہ کا ترانہ بڑے دل سوز انداز میں پیش کیا۔

اس کے بعد جامعہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نے ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی پاکیزگی کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اگر قول وفعل میں مطابقت نہ ہو تو بات مؤثر نہیں ہوتی، اس لئے دونوں میں مطابقت ہونی چاہئے، اسی حوالہ سے حضرت نے حدیث شریف ’’ألا إن فی الجسد مضغة الخ‘‘ پڑھ کر فرمایا کہ جسم کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ بگڑ جائے تو پھر سارا نظام جسم بگڑ جاتا ہے، یہی حال باطنی کیفیات کا ہے، اگر دل بگڑتا ہے تو سب اعمال بگڑ جاتے ہیں، اِس لئے علم کے ساتھ ساتھ اعمالِ خیر کی بھی فکر کریں، اور کسی ولی کامل سے رابطہ کر کے اپنی اصلاح کریں۔

اس کے بعد جامعہ کے مفتی اور محدث حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی نے بخاری شریف کا آخری درس دیا، آپ نے آخری حدیث کی تشریح سے قبل درود شریف کی فضیلت بیان فرمائی، اور اس بارے میں حوالوں کے ساتھ متعدد حدیثیں ذکر کیں، اسی طرح آپ نے دستار فضیلت کے متعلق صحیح احادیث کی روشنی میں گفتگو فرمائی، اور سفید عمامہ باندھنے کی ترغیب دی۔ موصوف نے آخری حدیث کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ انسانوں کے لئے میزانِ عدل قائم کیا جائے گا، اور ان کے افعال واقوال کو تولا جائے گا، اس لئے ہر آدمی کو اپنے اعمال باوزن بنانے کی فکر کرنی چاہئے۔ آپ نے محدثانہ شان سے اختصار اور جامعیت کے ساتھ عام فہم انداز میں بخاری شریف کے آخری باب کی دلنشیں تشریحات فرمائی۔

ختم بخاری کے بعد دستار بندی کا عمل ہوا، اور اس کے بعد مہمانِ خصوصی دارالعلوم دیوبند کے مؤقر استاذِ حدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قمر الدین صاحب مدظلہ العالی نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ طلبہ یہ نہ سمجھیں کہ اب علم کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ہمیں اس حدیث کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ دو شخصوں کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا، ان میں سے ایک علم کا حریص ہے، اسی لئے اکابر ہمیشہ آخر دم تک علمی مشاغل میں لگے رہے۔ اور موصوف نے اپنی تقریر میں علم کی طلب کے بارے میں اکابر کی قربانیاں بیان فرمائی، اور اخیر میں فرمایا کہ آپ سب کو مدرسہ اور منتظمین مدرسہ کا احترام کرنا چاہئے، تقریباً ساڑھے گیارہ بجے شب میں حضرت والا کی مستجاب دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا، جلسے میں دیگر مدارس کے اساتذہ وذمہ داران کے علاوہ شہر کے بہت سے معززین حضرات نے بھی شرکت فرمائی۔ □□□